ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:67 ماہ/جولائی 2018

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE SW17 0PW LONDON
(M) 0044-7886-304637, 02089449385
http://qandeel-e-adab.com, ranarazzaq52@gmail.com

A Magazine of Urdu Literature and Poetry from London

ایک عظیم ادیب ومزاح نگار مشتاق یاسفی ۹۴ سال کی عمر میں اس دارِفانی سے رُخصت ہو گئے۔
خدا اُن کو غریقِ رحمت کرے۔ عجب آزاد مرد تھا۔ آمین

جتنا وقت اور روپیہ بچوں کو ''مسلمان کے سائنس پر احسانات'' رٹانے میں صرف کیا جاتا ہے، اس کا دسواں حصہ بھی بچوں کو سائنس پڑھانے میں صرف کیا جائے تو مسلمانوں پر بڑا احسان ہوگا۔ (معروف مزاح نگار محترم جناب مشتاق احمد یوسفی صاحب)

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience

www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم / سیاسی پناہ اور امیگریشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- یورپین قانون
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ویزا میں تبدیلی
- اوورسٹیئرز
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ورک پرمٹ
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- جوڈیشل ریویو
- ٹرائیبونل اپیل
- سٹوڈنٹس اپیل

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈو، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

24 YEAR EXPERIENCE FAST TRACK UMRA VISA SERVICE

Special Flight

But Choice For Worldwide Flights

عمرہ اور ویزہ کے جلد حصول اور مناسب قیمتوں پر ٹکٹ اور ویزہ کیلئے ہم سے رابطہ کریں۔ ہمیں پچھلے 24 سالوں سے عوام کی خدمت کا موقع مل رہا ہے۔ دُنیا بھر کے ممالک کیلئے کسی بھی وقت اور کسی بھی ایئر لائن کی ٹکٹ کے حصول کیلئے ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ فوری اور مناسب داموں پر ٹکٹ مہیا کر کے دیں گے۔

we are working under
IATA and ATOL bonded agent

Unit 47, Broadway Market, London SW170RJ

Tel: 020 8672 2693

Email: Specialflights@btinternet.com

Wimbledon Solicitors

AKEEL MIYAN IMMIGRATION CONSULTANT

T: 020 8543 3302 F: 020 8543 3303

E: akeel@wimbledonsolicitors.net

w: www.wimbledonsolicitors.net

191 Merton Road, South Wimbledon, London, SW19 1EE

271 Balham High Road, Tooting Bec, London SW17 7BD

24 HOUR HELPLINE: 0788 303 1585 / 079 5844 0790

We specialist in immigration, Family Law and Child Care matters and public funded service (Legal Aid). We have qualify staff who are able to converse in Hindi, Urdu, Pashto, Gujarati, Telugu, and Tamil. Injured in an Accident and not your fault? Contact our specialist Personal Injury Department. We deal with RTA, MIB and CICA claims.

*** No-WIN-No FEE * 100% Compensation** (no deductions)

*** Quick settlement * Home Visits.**

Call us on **020 8767 0800**

SHARIF

HALAL MEAT & GROCERIES
FRESH FRUITS & VEGETABLES

Munir Sheikh

02088719265, 07426546212
07450161511

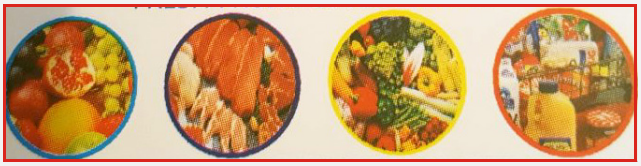

189 MERTON ROAD SW18 5EF

LONDON

GREAT TYRES

NEW & PART-WORN TYRES

we do: Allignment, balancing, puncture repair, budget tyres, branded tyres, summer tyres, winter tyres, all weather tyres, commercial tyres, 4x4 tyres, run flat tyres

CALL US NOW: 02035833733 - 07474874518
07402626333

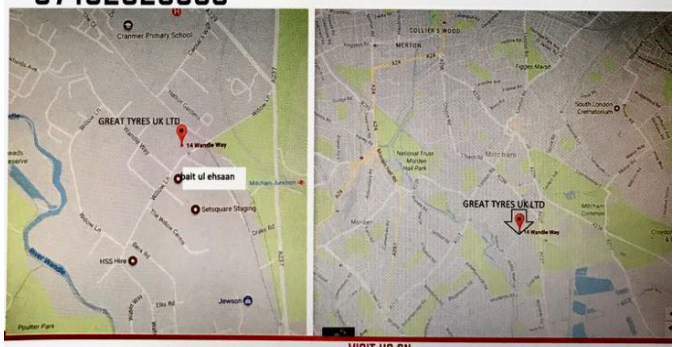

UNIT 9, FALCON BUSINESS CENTRE
14 WANDLE WAY, MITCHAM, CR44FG
07474874518 - 07402626333

VISIT US ON:
E-BAY: greatyresukltd
f book: @greattyres
instagram: greattyres
twitter: greattyres@yahoo.com

BSC ELECTRICAL ENGINEERS

Part P Approved Contractor
Certification
Rewire PAT Testing
Replacement Fuse Board
Fault Detection

Contact:
SAMIULLAH
07432715797
E-mail:

ssami19693@hotmail.com
Web: bscelectricalengineers.co.uk

HEATING LTD.

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

مجلس ادارت

بانی رُکن

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

آدم چغتائی، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یو کے ٹائمز، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد۔ طارق مرزا آسٹریلیا۔ عبدالقدیر کوکب۔ بشارت احمد چیمہ۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔ اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارے کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تا کہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ

رانا عبد الرزاق خاں

فہرست مضامین

الیکن پر نظم	مبارک صدیقی	6
نامے جو میرے نام آتے ہیں		6
غزلیات: حمیدہ معین رضوی، ڈاکٹر ساحر شیوی، بانو ارشد، سید ریاست عباس رضوی دہلوی، سائرہ بتول، سبینہ سحر، رخسانہ رخشی، انجم شہزاد انجم، اشتیاق زین، پاکیزہ بیگ، امجد مرزا امجد، خورشید پرویز، چمن لال چمن، ابراہیم رضوی، اشرف عطارد، محمد اسلم چغتائی، عبدالصمد قریشی، عبدالسلام اسلام، انور ندیم علوی، شفیق مراد، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، پروفیسر عبدالقدیر کوکب، طفیل عامر سندھو، عاصی صحرائی۔		7-11
طلسم انسانی جسم زکریہ ورک کی کتاب پر تبصرہ	پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن	12
پاکستان اور مذہبی دہشت گردی	سید ناصر احمد شاہ	14
نعت	ناصرہ رفیق	15
شذرات اخبارات و رسائل	شاہد احمد چیمہ	16
اوریا مقبول جان کی خرافات	اے آر خان	18
غزل	آدم چغتائی	20
نغز گو شاعر عبدالکریم قدسی	ذکریا ورک	20
لنگڑی لولی جمہوریت	رحمل خوشاب	21
غزل	بشارت احمد بشارت	22
زندگی کو زندگی میں خراج تحسین	فرخندہ رضوی خندہ	23
پروفیسر صفیہ سلطانہ جیک آباد کے مجموعہ کلام	تحریر۔ فرزانہ فرحت	24
تاریخ کے جھروکوں سے	ادارہ	26
پانی کو عزت دو	آصف محمود	27
شورکوٹ جھنگ کی پسماندہ تحصیل	پروفیسر عبدالقدیر کوکب	27
خدا گنجے کو ناخن نہ دے	اے آر خان	30
غزل	علامہ اقبال	31
ڈاکٹر عبدالسلام ڈاکیومنٹری کیوں نہ چل سکی!	وقار احمد ملک	32
سائنس قادیانی ہے	عاطف توقیر	33
تاریخ کے جھروکے سے اطاعت گزار بندے	ادارہ	35
عجیب الخلقت لوگ۔	ادارہ	36
پاکستان پیاسا رہ جائے گا	شفیع الرحمان	36
امجد مرزا کے ساتھ چند قہقہے	ادارہ	37
افسانہ۔ وراثت	امجد مرزا امجد	38

***

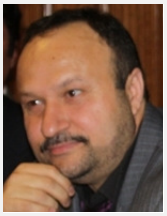

الیکشن پر نظم

(مبارک صدیقی)

تم ایسے رہبر کو ووٹ دینا

وطن کو جو ماہتاب کر دے
اُداس چہرے گُلاب کر دے
جو ظُلمتوں کا نظام بدلے
جو روشنی بے حساب کر دے
تم ایسے رہبر کو ووٹ دینا
وطن جو میرا نہال کر دے
جو ہجر موسم وصال کردے
جو خوشبوؤں کی نوید بن کر
گُلاب موسم بحال کر دے
تم ایسے رہبر کو ووٹ دینا
تم ایسے رہبر کو ووٹ دینا
جو دل کا موسم سہانہ کر دے
وطن سے غربت روانہ کر دے
جو آستینوں کے سانپ مارے
جو بم دھماکے فسانہ کر دے
تم ایسے رہبر کو ووٹ دینا
تم ایسے رہبر کو ووٹ دینا
جو دستِ قاتِل کو کاٹ ڈالے
جو دیں فروشوں کا دَم نکالے
جو ماوں بہنوں کا ہو محافظ
جو وحشیوں کو لگام ڈالے
تم ایسے رہبر کو ووٹ دینا
قدم قدم پر جو راہبر ہو
گلی گلی سے جو باخبر ہو
جو دشمنوں سے نہ خوف کھائے
جسے ہمیشہ خدا کا ڈر ہو
تم ایسے رہبر کو ووٹ دینا
خدا کرے. وہ بہار آئے
جو قرض سارے اُتار آئے
مرے وطن کے نصیب میں بھی
سکون، راحت قرار آئے
خدا کرے کہ مرے وطن پر
گھٹائیں رحمت کی روز برسیں
مرے وطن کا ملے نہ ویزہ
یہ اہلِ یورپ بھی کچھ تو ترسیں
تم ایسے رہبر کو ووٹ دینا

نامے جو مرے نام آتے ہیں

کہنہ مشق شاعر اور ادیب محترم عبدالسلام اسلام لکھتے ہیں۔

محترم رانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ

خدا تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔آپ کا رسالہ قندیل ادب ملا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔اس دیارِ غیر میں اسقدر قندیل اردو ادب روشن کرنا کارے دارد ہے۔جس کی خدمت کا کوئی صلہ نہیں کوئی سیاسی یا کسی قسم کی منفعت نہیں۔ اس قدر خوشنما پھولوں کا گلدستہ،مختلف نوعیت کے کلچر سے متعارف کروانا، افسانچے،غزلیں،عشائیے،معلومات،لطائف،تبصرے،تنقیدی مضامین،اور تعارف کتب، سے قندیل ادب کو مزین کرنا یہ ایک کہنہ مشق ادیب ہی کا کام ہوسکتا ہے۔یہ میگزین مغرب میں ایک ماہتابِ اُردو ہے۔شرق وغرق کی تہذیبوں کا ملاپ اور سنگم ہے۔اس کی تحاریر تازہ ہوا کے خوشگن جھونکوں سے کم نہیں۔یہ زمین مغرب اُردو ادب سے سیراب ہو رہی ہے۔یورپ کے باسیوں کے لئے یہ ایک شاہکار ہے۔یوکے میں یہ ایک گلستان سے کم نہیں جو بھی اسے پڑھتا ہے وہ لطف وسرور سے مخمور ہو جاتا ہے۔بہر حال اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔اللہ تعالیٰ اس کے معاونین کو جزائے خیر دے۔اور اس قافلے کو اور اس کے سالار کو صحت وزندگی سے نوازتا رہے۔

آمین۔

غزلیات

حمیدہ معین رضوی

شوقِ منزل اس قدر تھا معاملہ چلتا رہا
یوں سفر جاری رہا اور قافلہ چلتا رہا

بزم گاہِ فکر و فن سے جلوہ گاہِ عشق تک
سازشوں کا اور حسد کا سلسلہ چلتا رہا

کچھ ہیں ٹوٹی آرزوئیں اور کچھ ناکامیاں
یہ وفاؤں کا صلہ تھا یہ صلہ چلتا رہا

چل رہے ہیں رازِ منزل کی خبر کوئی نہیں
فاصلہ جتنا تھا اتنا فاصلہ چلتا رہا

میں نے چاہا بھی نہ تھا پھر جانے کیسے ہو گیا
شہرِ دل میں کشمکش کا مرحلہ چلتا رہا

کم رہے مومن مگر حق کے لئے لڑتے رہے
اس لئے ہر عہد میں اک کربلا چلتا رہا

سنگلاخوں سے گذرنا اتنا تو آساں نہ تھا
کرب کا اور خواب کا تھا فیصلہ چلتا رہا

دل کے کھنڈر میں لہو کا جو دیا ہے جل رہا
حوصلے کی ہے علامت حوصلہ چلتا رہا

وقت کے دریا میں کشتی زیست کی بہتی رہی
عشق کا اور عقل کا وہ مسئلہ چلتا رہا

ڈاکٹر ساحرؔ شیوی

دل میں جتنے بھی ہیں ارماں لے کر آ
میرے چمن میں فصل بہاراں لے کر آ

ہم بھی تیرے نقشِ قدم پر چلتے رہیں
آنا ہے تو سیرتِ انساں لے کر آ

تجھ سے وابستہ ہیں امیدیں لوگوں کی
ہر محفل میں پیار کا ساماں لے کر آ

ذرّہ ذرّہ تاریکی میں ڈوبا ہے
روشنیوں سے بھر کر داماں لے کر آ

بات نہ کر ایسی جس کا سر پیر نہ ہو
جو پورے ہو عہد و پیماں لے کر آ

قسمت پر تکیہ کرنے کی بات نہ کر
تدبیریں بھی ساتھ میں ناداں لے کر آ

انسانوں کی ہستی میں شیطاں بھی ہیں
ان کیلئے پیغامِ یزداں لے کر آ

بجھے بجھے دل ہیں سب سے اس محفل میں
ساحرؔ اپنی فکر فروزاں لے کر

بانو اَرشد

رُخ پر جب آنسوؤں کا سمندر بکھر گیا
اس شوخ کا تو اور بھی چہرہ نکھر گیا

ایسا بنایا زینہ سا لہروں نے بحر میں
دل کا سفینہ خود ہی بھنور میں اتر گیا

دل کو اداس کرکے نہ بیٹھو فراق میں
"تم جس ہوا میں ہو ، وہ زمانہ گزر گیا"

اک شخص زندگی میں ملا تھا ہمیں کہیں
منزل سے پہلے چھوڑ کے جانے کدھر گیا

کیوں نہ ہجوم یاس سے بانوؔ ہو مضطرب
ایسی اندھیری رات تھی جگنو بھی ڈر گیا

سیّد ریاست عباس رضوی دہلوی

شعلہ ہوں بھڑکنے کی جسارت نہیں کرتا
میں آگ لگانے کی شرارت نہیں کرتا

خوابوں میں چلا آتا ہے تصویر کی صورت
وہ مجھ کو جگانے کی جرأت نہیں کرتا

گر جاتا ہے اِک روز زمانے کی نظر میں
جو ظلم تو کرتا ہے محبت نہیں کرتا

کانٹوں کو بھی سینے سے لگاتا ہوں چمن میں
میں تو کسی دشمن سے بھی نفرت نہیں کرتا

ہر محفلِ زردار سے رہتا ہوں گریزاں
میں جھوٹے خداؤں کی زیارت نہیں کرتا

جس کام سے آنچ آئے کبھی میرے وطن کو
وہ کام مرے دوست ریاستؔ نہیں کرتا

سائرہ بتول

وحشتِ کوچہ و بازار سے ڈر جاتی ہوں
دھوپ میں سایۂ دیوار سے ڈر جاتی ہوں

موت کے خوف سے جینے کا ارادہ جو کیا
زیست کے رستۂ پُر خار سے ڈر جاتی ہوں

اے شبِ ہجر نہیں تجھ سے گلہ اور کوئی
میں تری زلفِ طرحدار سے ڈر جاتی ہوں

کوئی طوفاں مرے قدموں کو ہلا دے کیسے
میں تو بس اپنے ہی پندار سے ڈر جاتی ہوں

بزمِ انجم میں سبھی اپنا ستارہ ڈھونڈیں

میں ترے طالعِ بیدار سے ڈر جاتی ہوں
کس طرح بزم میں دیتی ہوں تجھے اِذنِ کلام
میں تری جرأتِ اظہار سے ڈر جاتی ہوں
ڈر تو لگتا ہے مجھے صرف عزیزوں سے بتولؔ
کون کہتا ہے میں اغیار سے ڈر جاتی ہوں

سبینہ سحرؔ

کون سے درد کی شدت نے مجھے مار دیا
میرے ہی عشق کی عجلت نے مجھے مار دیا
کوئی اب آئے مرے غم کا مداوہ کرنے
بے وجہ ہنسنے کی عادت نے مجھے مار دیا
تیر لگنے کا نظارہ ہی کچھ ایسا تھا کہ بس
زخمی پنچھی کی اس حالت نے مجھے مار دیا
نیم بسمل ہی کیا جاں سے نہ مارا مجھ کو
ایسے دشمن کی عنایت نے مجھے مار دیا
درد دنیا کا میرے دل میں سماتا ہی گیا
درد سہنے کی ریاضت نے مجھے مار دیا
خونِ دل آنکھوں سے اشکوں کی جگہ بہنے لگا
روتے رہنے کی سہولت نے مجھے مار دیا
راز ہر ایک مرا سب پہ عیاں کرتی ہے
میری آنکھوں کی ندامت نے مجھے مار دیا
سارے الزام مجھے اپنے ہی سر لینے پڑے
خامشی تیری سہولت نے مجھے مار دیا
اپنے دشمن سے میں کب ہارنے والی تھی مگر
دوستو میری مروّت نے مجھے مار دیا
سانس جاتی ہے ، سحرؔ پھر بھی نہیں آتی ہے
میرے احساس کی ظلمت نے مجھے مار دیا

رُخسانہ رخشی

یہ میری فکر و نظر کو اُجال کس نے دیا
نئی اک نگاہ، نیا اک خیال کس نے دیا
رُخِ حیات کو حسن و جمال کس نے دیا
یہ شوق و ذوق ، یہ فکر و خیال کس نے دیا
میں سوچتی ہوں ہر اک سمت انتشار ہے کیوں
تم ہی کہو کہ مجھے یہ سوال کس نے دیا
تلاشِ آب میں صحرا کی خاک چھانتے ہیں
مسافروں کو سرابوں کا جال کس نے دیا
یہ رنگِ نو کے دریا بہا دیئے کس نے ؟
کلی زمین کو فلک کو ہلال کس نے دیا
کوئی تو ہوگا پسِ پردۂ جہاں ورنہ
ہر اک شے کو عروج و زوال کس نے دیا
اگر خوشی سے عبارت تھی زندگی میری
تو پھر آئینۂ دل کو بال کس نے دیا
نہ جانے رہتی ہیں پُر آب کیوں میری آنکھیں
نہ جانے دل کو یہ رنج و ملال کس نے دیا
ہوں ماہتاب صفت میں اور آفتاب ہو تم
مجھے جمال تو تم کو جلال کس نے دیا
نہ تھا اشارہ کوئی غیب سے تو رخسانہؔ
یہ شعر کہنے کا تجھ کو کمال کس نے دیا !!

اشتیاق زین

ستم کو اب کرم کہنا، خموشی کو بیاں لکھنا
ہمیں بھی آ گیا آخر حقیقت کو گماں لکھنا
لہو مجھ کو رلاتی ہے یہ عادت اس کی برسوں سے
محبت کو سزا کہنا، وفا کو داستاں لکھنا
شکایت بے ارادہ تھی، اِسے آشفتگی کہہ لو
وگرنہ ہم نے چاہا تھا تمہیں بھی مہرباں لکھنا
چڑھا دو شوق سے سولی، نہیں منظور یہ پھر بھی
جو سورج سر جلائے ہے، اُسی کو سائباں لکھنا
لگا کر تہمتیں صدہا تعلق توڑنا، آساں
بہت دشوار ہے لیکن، وفائے جاوداں لکھنا
نہیں یہ جوشِ وحشت تو بتاؤ پھر بھلا کیا ہے؟
زمانے پر عیاں ہے جو، اسی کو بے نشاں لکھنا
غمِ جاناں نے سکھلایا، غمِ ہستی بیاں کرنا
مجھے آتا ہی کب تھا زینؔ دردِ بے کراں لکھنا

انجم شہزاد انجمؔ

میرے حقوق کو پائمال کرنے والے ہیں
فقیہِ شہر کوئی چال چلنے والے ہیں
ہمیں نے دُکھ کے الاؤ میں ہات ڈالا ہے
ہمیں سے درد کے رشتے نکلنے والے ہیں
کسی نے چھین لیا ہے کسی کی آنکھ کا نُور
کسی کے ہات سے دو ہات کٹنے والے ہیں
میرے لہو میں ہیں شامل محبتیں تیری
چراغ جن سے وفاؤں کے جلنے والے ہیں
ٹھہر سکو تو ذرا مُڑ کے دیکھ لینا انہیں
وہ لوگ جو کہ تیرے ساتھ چلنے والے ہیں
ہمیں امید کہ ساحل سے لوٹ جانا ہے
وفا کے شہر کے موسم بدلنے والے ہیں
مرے وطن کی سیاست شکارِ سازش ہے
ہمارے ملک کے نقشے بدلنے والے ہیں
جو جل رہا ہے لہو سے چراغ تو کیا ہوا
اِسی سے کتنے دِیئے بھی سلگنے والے ہیں
سنبھل کے گھر کے چراغوں کو دے ہوا انجمؔ
چراغ کتنے ہواؤں میں جلنے والے ہیں

پاکیزہ بیگ

وہ شاعر ہے جو شمعوں کو بھی پروانہ بنا ڈالے
محبت خود کرے اوروں کو دیوانہ بنا ڈالے
ذرا سی بات میں دل کا لہو بھرنے لگے کوئی
قلم کو چوٹ لگ جائے ، وہ افسانہ بنا ڈالے
تمہاری آنکھ میں ڈوبا ہوا ہے زُہد اور تقویٰ
یہ مسجد کی طرف دیکھے تو میخانہ بنا ڈالے
دلوں کی بات ہے، ان کی اگر سرحد کہیں مل جائے
جو گولی بھی چلے ، چاہت کا پروانہ بنا ڈالے
چلو اک میز پر اب دل کے ٹکڑے جوڑنے بیٹھیں
یہ دردِ مشترک نفرت کو یارانہ بنا ڈالے
یہ قاتل پڑھ کے ہیں نکلے ہوئے کیسے سکولوں سے
ہر اک کہتا ہے اس بستی کو ویرانہ بنا ڈالے
ہماری نعش کو کھینچے پھرو غالب کی گلیوں میں
محبت مقتلوں کو کُوئے جانانہ بنا ڈالے
فقط چیزیں نہیں ہوتیں، دھڑکتے دل بھی ہوتے ہیں
یہی اخلاص اک کٹیا کو شاہانہ بنا ڈالے
کوئی ایثار ایسا ہو جسے دنیا کہے وَہ وا
کوئی میداں میں آ کر ایک پیمانہ بنا ڈالے
چھتوں میں دب کے مرنے سے تو بہتر ہے کہ پاکیزہؔ
عمارت خود گِرا کر کوئی کاشانہ بنا ڈالے

امجد مرزا امجدؔ

کتنے موسم بدل گئے ہیں ہجر کی آگ بجھانے میں
کتنی صدیاں بیت گئی ہیں روتا دِل بہلانے میں
تم نے ہم کو چاہا تھا اور تم نے ہی ٹھکرایا تھا
جانے کتنا وقت لگے اب زخموں کے بھر جانے میں
پاؤں کی بس اِک جُنبش سے ہی پتی پتی پھُول ہوا
یہ نہ سوچا کتنی دیر لگی تھی پھُول اُگانے میں
میرے گھر کے شیشے بھی تو تیرے گھر کے جیسے تھے
کیوں نہ ہاتھ میں لغزش آئی پتھر کے برسانے میں
ہم تو رِند نہیں تھے ساقی لوگوں نے بدنام کیا
تیری آنکھ کی مستی سے بس جھومے تھے مے خانے میں
کتنے موسم انگاروں کے خاموشی سے کاٹے ہیں
ہونٹ نہ امجدؔ کھول سکے ہم ساری عمر زمانے میں

خورشید پرویز

ہم ترے ظلم کی تشہیر نہ ہونے دیں گے
کوئی چاہے بھی تو تحقیر نہ ہونے دیں گے
انقلاب آئے کوئی چرخِ کہن ٹوٹ پڑے
ہم کسی اور کی توقیر نہ ہونے دیں گے
کہیں دیکھے نہ کوئی دل کے تڑپنے کا سماں
ہم اس بات کی تدبیر نہ ہونے دیں گے
گلستاں مہک اُٹھے ابرِ بہاراں جھومے
ہم تو جذبات کی تفسیر نہ ہونے دیں گے
ہم نے چاہا تھا بہت دل میں بسایا تھا تجھے
ہم تری چاہ کو دل گیر نہ ہونے دیں گے
یوں تو شاید ترے پہلو میں کوئی یاد نہ ہو
یادِ گم گشتہ کو تسخیر نہ ہونے دیں گے
اے مرے چاکِ گریباں ہو تری عمر دراز
ہم کسی خواب کی تعبیر نہ ہونے دیں گے

چمن لال چمنؔ

سانس کی دوڑی بال برابر ہوتی ہے
دھڑکن کی لے تال برابر ہوتی ہے
تیری یادیں جیون کا سرمایا ہیں
ان کی سب سنبھال برابر ہوتی ہے
ماں کا سایا ہوتا ہے جب تک سر پر
ماں کی ممتا ڈھال برابر ہوتی ہے
جب مُرلی کی کنٹھ لگاتی ہے رادھا
مُرلی دھر گوپال برابر ہوتی ہے
یار سے بچھڑے رہنے کی اِک آدھ گھڑی
جانے کتنے سال برابر ہوتی ہے
جیسا بیجو گے ویسا پھل پاؤ گے
کرموں کی پڑتال برابر ہوتی ہے
آسمان پر چاند ستاروں کی شوبھا
پوجا کے اِک تھال برابر ہوتی ہے
جن پیڑوں پر پنچھی چہک رہے ہوں گے
جھوم رہی ہر ڈال برابر ہوتی ہے
بیوی اور محبوبہ میں ہے فرق یہی
گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے

ابراہیم رضویؔ

کبھی میں کہکشاں بردوش ایوانوں سے گزرا ہوں
کبھی روحی کے رشکِ خلد کا شانوں سے گزرا ہوں
کبھی سر رکھ دیا ہے بے خودی میں سنگِ اسود پر
سکونِ دل نہ ملنے پر صنم خانوں سے گزرا ہوں
جہانِ شبنم و گل میں پذیرائی تو آساں تھی
مگر یہ شوقِ آوارہ کہ ویرانوں سے گزرا ہوں
کہاں کی بزم آرائی کجا پیمانہ و ساغر
زوالِ فہم و دانش پر عزاخانوں سے گزرا ہوں
پیامِ کفر و باطل میں کشش ہوتی تو کیا ہوتی
حرم کی کم نگاہی تھی کہ بت خانوں سے گزرا ہوں
بہ چشمِ نم بہت رسوائیاں جھیلیں حرم والو
شکایت کیا کہ غم خانوں سیہ خانوں سے گزرا ہوں
گزر ممکن تو تھی بزمِ نگارانِ خود آرا میں
یہ عزمِ چاکِ دامانی کہستانوں سے گزرا ہوں

اشرف عطارد

مجھے اپنی محبت کا صلہ گر مل گیا ہوتا
نہ تم ہوتے نہ غم ہوتا مجھے حل مل گیا ہوتا
محبت میں کبھی تم جھانک لیتے وفا اپنی
خوشی کا اب تلک کوئی پھل مل گیا ہوتا
کوئی دل میں اب اترے لگائے ہاتھ پہ مہندی
محبت کا کوئی تحفہ اب تک مل گیا ہوتا
چاہت بھی نہ کم ہوتی غم بھی سب ضم ہوتے
گریباں چاک ہو جاتا یہ دل ڈھل گیا ہوتا
محبت بھی شفاف ہوتی پاک ہوتا دامن بھی
دل کی موجوں کو یہ ساحل مل گیا ہوتا
غافل ہوں کہوں میں کیا کروں اب جستجو تیری
عطارد کو تیری شفاعت کا سہارا مل گیا ہوتا

محمد اسلم چغتائی

یاد اُن کی دل میں بسائے جاتے ہیں
غم اپنوں کے اُٹھائے جاتے ہیں
چاہا تھا جنہیں دل و جاں سے کبھی
وہی نظریں چرائے جاتے ہیں
جنہیں کرنی تھی گلشن کی رکھوالی
وہی آج اسے لٹائے جاتے ہیں
کرتے تھے جو باتیں پیار کی ہی
وہی دل کو جلائے جاتے ہیں
کب آئے گی عقل تجھے چغتائی
کب سے ہم سمجھائے جاتے ہیں

حمدیہ کلام
عبدالصمد قریشی

محبت کے انداز دیتا ہے وہ
حسیں ذوقِ پرواز دیتا ہے وہ
بناتا ہے جس کو وہ اپنا حبیب
اُسے حُسنِ اعجاز دیتا ہے وہ
اُسے بخشتا ہے وہ حُسن و یقیں
جسے اپنا اعزاز دیتا ہے وہ
سکھاتا ہے وہ بندگی کے رُموز
صداقت کے سب راز دیتا ہے وہ

نعت
عبدالسلام اسلام

محمدؐ کی جو جبیں دیکھتے ہیں
وہ چاند اور سورج نہیں دیکھتے ہیں
جو ''شق القمر'' والی اُنگشت دیکھیں
وہ موسیٰ کی کب آستیں دیکھتے ہیں
دل اُن پر تصدق ہوا چاہتا ہے
اَدا اُن کی ہر دلنشیں دیکھتے ہیں
مرا مصطفیٰ بڑھ گیا نوریوں سے
بصد رَشک رُوح الامیں دیکھتے ہیں
اِدھر تختِ دل پر وہ ہیں جلوہ فرما
اُدھر اُن کو سدرّہ نشیں دیکھتے ہیں
کھڑے ہیں جو اُس در پہ پھیلا کے دامن
وہ دامن میں دنیا و دیں دیکھتے ہیں
مرا دل ہے خوشی سے بلیوں اُچھلتا!
وہ جب مرا قلبِ حزیں دیکھتے ہیں
اگر بچ گیا ہوں میں اُن کی نظر میں
تو پھر کیوں مجھے نکتہ چیں دیکھتے ہیں

انور ندیم علوی

آنکھ اشکوں کی جھیل ہے جاناں
رات غم کی طویل ہے جاناں
درمیاں دو دلوں کے ظلموں کی
کتنی اُونچی فصیل ہے جاناں
ہونٹ چپ ہیں مگر مرا آنسو
کتنا محکم وکیل ہے جاناں
پیر بس میں نہیں، رہائی کی
کتنی مشکل سبیل ہے جاناں
روشنی پیار کی کہ سورج کی
آپ اپنی دلیل ہے جاناں
نہ کسی فرم کا نہ سرکاری
بس تیرا وکیل ہے جاناں

شفیق مراد

گفتگوئے یار میں تھا زندگی کا ذائقہ
بات کرنے کا ہمیں بھی ہو گیا تھا حوصلہ
باندھ کر رَختِ سفر جب جانبِ منزل چلے
زندگی کا ہم نے دیکھا رنگ بدلتا سلسلہ
نارسائی زیست میں کیوں چل رہی ہے ساتھ ساتھ
جس قدر میں بڑھ رہا ہوں، بڑھ رہا ہے فاصلہ
فون پر سمجھا تھا میں آواز شائد کٹ گئی
درحقیقت کٹ رہا تھا دل کا دل سے رابطہ
حسنِ رفتہ کی جھلک مجھ کو دکھاؤ، جب کہا
ٹوٹ کر پاؤں میں میرے آگرا تھا آئینہ
عشق کی شدت مقدرِ حسن کا ٹھہری مرادؔ
دے دیا ترتیب مل کر زندگی کا زائچہ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

تیرگی میں نور کا پہلو بہت اچھا لگا
جگمگاتا رات کو جگنو بہت اچھا لگا
ناگہاں ویرانیوں سے میں بھی خوش ہونے لگا
مجھ کو ویراں دشت میں آ ہو بہت اچھا لگا
غم کے داغوں سے تو وہ بیزار تھا یوں تو مگر
اُس کو میری آنکھ میں آنسو بہت اچھا لگا
زیست سے محنت کشی کی جب ملی دولت مجھے
بوجھ ڈھوتا ہر کوئی بازو بہت اچھا لگا
بزم کی دلچسپیاں حیرانیوں میں کھو گئیں
دیکھنے والوں کو یہ جادو بہت اچھا لگا
پربتوں کی چوٹیوں کا جب کبھی آیا خیال
دھیان میں بیٹھا ہوا سادھو بہت اچھا لگا
گھر کے اندر بھی منوّر حکمرانی کی مگر
مجھ کو اپنے آپ پر قابو بہت اچھا لگا

پروفیسر عبدالقدیر کوکب

تھا گماں آپ وفا کرتے ہو
پر حقیقت ہے جفا کرتے ہو
وقت مانگا تھا تیری قربت کا
دیکھیئے کب یہ عطا کرتے ہو
دعویٰ کرتے ہو میرے دوست ہو تم
پھر عدو سے بھی ملا کرتے ہو
علم ہے تم کو مرا پیار ہو تم
مجھ سے کیوں دُور رہا کرتے ہو
معاف جب کر ہی دی کوکبؔ کی خطا
اُس کو ٹھکرا کے برا کرتے ہو

پنجابی کلام
طفیل عامر سندھو

پھُل لگ پئے کھڑن گلاباں دے
دن آ گئے فیر عذاباں دے
ساتھوں اِنج ہُسن جندڑی نئیں ہوندی
سانوں جھوٹھیاں سچیاں خاباں دے
کوئی ورہیاں دا تریایا سی
منہ سُک گئے ویکھ تلاباں دے
ایہہ کوٹھا گُلا ڈھا دیندے
ایہہ اتھرو مُڈ سلاباں دے
جو پڑھنا آں او دس دا نئیں
سڑ جان اہ ڈھیر کتاباں دے
سانوں نشہ اے کِنیاں پیڑاں دا
سانوں مزے نیں کئی شراباں دے
عامرؔ سی کاماں ماپیاں دا
ماپے سن نوکر صاباں دے

ھدیہ تبریک
عبدالسلام اسلام لندن

کہنے کو ہے قندیل پر سورج سے کم نہیں
یورپ کے ہے اُفق پر یہ اُردو کا آفتاب
اس نے ہے پھونکی پیکرِ اُردو میں رُوحِ نو
شعروسخن کے حق میں ہے یہ تازہ تر شباب
ہاں نظم و نثر کا ہے مرقع نو بہ نو
اہلِ نظر کے سامنے یہ اِک کھلی کتاب
نُطق و بیانِ شرق کی یورپ میں چاندنی
اُردو اَدب کا غرب میں گویا کہ ماہتاب
اے سَر زمینِ غرب سُن تاریخ میں تری!
یہ اِک سنہری باب ہے، یہ اک سنہری باب
تہذیب شرق و غرب کا ہوگا نہ کیوں ملاپ؟
پچھّم میں بج رہا ہے جب پورب پہ رُباب
اس کے مطالعہ میں ہے لُطف و سرور کیوں؟
اس کی عبارتوں میں ہے پُر کیف سی شراب!
پُروا کے تازہ جھونکوں کی تاثیر دیکھنا!
انگلینڈ کے چمن میں کھِلا پوربی گلاب
اس کی جبیں پہ سینکڑوں نقش و نگار دیکھ!
تک چشمِ بینا سے کوئی رَخنہ نہیں جناب!
مغرب کی انجمن میں ہے روشن ''قندیلِ شرق
پورب کے باسیوں کا یہ شاہکارِ لاجواب
ہے اسکی آب و تاب خود اعلان کر رہی
''یہ چندے آفتاب ہے یہ چندے ماہتاب''
عبد الرزاق رانا کی محنت کا ہے صلہ
بنجر زمیں ہے چشمہ اُردو سے فیض یاب
یہ ترجمانِ نوعِ بشر ہو خدا کرے!

عاصی صحرائی لندن

تم ایسے انساں کو ووٹ دینا

وطن کو جو خراب کردے
ہر سُو جام و شراب کردے
خوش چہرے اُداس کردے
ہر اک کو بے لباس کردے
جو اندھیرا بے حساب کردے
کچرے سے کراچی وبال کردے
پانی کا ہر طرف کال کر دے
قومی صحت کا برا حال کردے
تعلیم میں نقل بحال کردے
جعلی سند قومی معیار کردے
جو کلمہ گو کا قتال کردے
مساجد کو ہر سُو پامال کردے
اذانوں پہ جو لگائے پابندی

تم ایسے انساں کو ووٹ دینا

طلسم انسانی جسم زکریہ ورک کی کتاب پر

پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن علی گڑھ کا تبصرہ

تاریخ عالم کے ابتدائی ترین عہد سے انسانی جسم کو مطالعہ کا موضوع بنایا گیا ہے۔ محض طب اور تشریح کے نقطہ نظر سے نہیں کائنات کے ہر ذرّہ اور قدرت کی تخلیق کردہ ہر شے کی طرح جسم انسانی کے رُموز جاننے کا انسان ہمیشہ مشتاق رہا۔ اپنے زمانے کے علم کے لحاظ سے وہ مظاہر فطرت کو غور سے دیکھتا اور ان کے حسن ظاہر کی ترکیبی آمیزش، رنگ ونکہت اور تخلیق کی دوسری بہت سی شکلوں اور صورتوں پر اس کی نظریں جاتیں۔ اس مطالعہ کو ہر دور میں فروغ ملتا رہا اور اسرار کائنات سے پردہ اُٹھانے کی کوششیں شعوری وغیر شعوری طور پر جاری رہیں۔ قدیم ترین تہذیبوں ذہنوں کی اس کارفرمائی کا نمایاں طور پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے کہ اس جہاں رنگ وبو کے دوسرے رُموز کو جاننے سے انسان کو پہلے بدن انسان کی تخلیق و ترکیب کے بارے میں معلوم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ پہلے بڑے اور ظاہری اور پھر رفتہ رفتہ باطنی اعضاء کی ساخت وہیئت کے باہمی رشتہ واعمال کا علم ہوتا گیا۔ یونانی فلاسفہ کے متعدد طبقات میں فرقہ طبعی کے افراد نے نباتات، حیوانات اور بدن انسان کے مطالعہ اور تکوین کی حیران کن خوبیوں کے ذریعہ خالق کے وجود کا یقین حاصل کرنے کی کوشش کی۔ علمی طور پر غالباً یہ پہلی کوشش تھی جو قدرت کے شاہکار اور اس کے خلق کردہ کمال آفریں وجود کے تعلق سے انجام دی گئی۔ مسلمان علماء نے بھی وجود باری پر جو دلائل قائم کئے ہیں ان میں انسان کی حیرت انگیز تخلیق کو بطور خاص پیش کیا ہے۔ امام غزالیؒ کی الحکمۃ فی مخلوقات اللہ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی کی المصالح العقلیہ تک ایک سلسلہ ہے جس میں صانع حقیقی کے کمالات اور صنعت کے اعلیٰ ترین نمونہ کا مشاہدہ کیا گیا ہے۔ مشہور زمانہ طبیب محمد ابن زکریا الرازی نے بھی اپنی تصنیف کتاب فی ان للعالم خالقاً حکیما میں تشریحی حیثیت سے اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اور آیت کریمہ خلقنا الانسان فی احسن تقویم کی توضیح وتشریح کی ہے۔ اس سلسلہ کی ایک تازہ ترین کوشش ڈاکٹر عبدالمعز شمس کی کتاب جسم وجاں ہے۔ 2014ء کی مطبوعہ اس کتاب میں جدید سائنس وطبی تحقیقات کی روشنی میں انسانی بدن کی تشریح ومنافع کے بارے میں دلچسپ انداز میں قیمتی معلومات پیش کی گئی ہیں۔ اس میں اعضاء کو بولتے ہوئے اور اپنی تشریحی ومنافعاتی خوبیوں کو گناتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

طب وسائنس کے شہرت یافتہ کینیڈا میں مقیم مؤرخ محمد زکریا ورک نے طلسم انسانی جسم کے ذریعہ اس مطالعہ کو مزید وسعت وقعت عطا کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں بڑی تحقیق وتفحص سے جدید ترقیات کے حوالہ سے انسانی بدن کی حیرت انگیز ترکیب، خلیات، انسجہ اور اور اعضاء کے بارے میں ناقابل یقین انکشافات پیش کئے ہیں۔ یہ حیران کن انکشافات ان کے عمیق مطالعہ کا ماحصل ہیں۔ انہوں نے واقعی جہاں اندر جہاں کی وسعتوں کی لامحدود یافتوں اور پراسرار وپوشیدہ رازوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ یہ مواد غالباً دوسری زبانوں میں بھی یکجا طور پر دستیاب نہیں ہے۔ قلب، دماغ، ناک، کان، آنکھ، معدہ، جلد اور ہڈیوں کے پیچیدہ نظام نیز گردش خون، استقرار حمل، جنین، اور پھر آرگن ٹرانس پلانٹ، ڈی این اے، اور جین کے طلسم کے علاوہ دماغ کے تذکرہ میں انسانی نفسیات سے بھی بحث کی ہے۔ سائنس کی جدید تحقیقات کے سامنے آئے بغیر پہلے انہیں جاننا اور سمجھنا ممکن نہیں تھا۔ دوسری مخلوقات کی طرح انسانی جسم میں ایک وسیع جہاں آباد ہے۔ اسی لئے حکماء نے عالم اکبر کے مقابلہ میں اس کیلئے عالم اصغر کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ خدا کی خدائی اور اس کے وجود پر سب سے بڑا گواہ انسان کا بدن ہے۔ دنیا کے بلین ملین انسانوں کا بظاہر ایک جیسا نظر آنیوالا جسم اور مشترکہ طور پر پائے جانے والے اعضاء کے علاوہ آواز، سوچ، ذوق، ذہن، نفسیات یہاں تک کہ ہاتھ کی لکیروں، انگلیوں کے نشانات، چہرہ کے خدوخال کسی میں بھی یکسانیت نہیں پائی جاتی۔ جڑواں افراد بھی شکل و صورت، نقش ونگار، ظاہری وباطنی خصوصیات اور عادات وخصائل میں ایک دوسرے سے مماثلت نہیں رکھتے۔ ہر شخص جذبات واحساسات میں جدا، اور مختلف اشکال وصور کا حامل، کوئی ایک ٹکسال میں ڈھلا نظر نہیں آتا۔ یہ قدرت کا ایک بڑا عجوبہ اور کمال آفریں نشان ہے۔ دنیا کی کوئی مشین اور کوئی ٹکسال اس طرح الگ الگ اور جدا جدا نمونے نہیں نکال سکتی۔ انسانوں کا یہ اختلاف اور تغیر حالات ثبوت باری تعالیٰ کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اللہ تعالیٰ سے سکا لرز ہی ڈرتے ہیں کی تفسیر کے مطابق کسی بھی مضمون کے عظیم محقق کو اس مضمون کی گہرائی میں پہنچ کر پروردگار عالم کی معرفت

کا جو یقین حاصل ہوتا ہے عام انسان اس کے لاکھویں حصے کا بھی ادراک نہیں کرسکتا۔ محققین اور سائنسدانوں کو ادنی فہم اور عام لوگوں کے مقابلہ میں نہ صرف بدن انسان بلکہ ہر قدرتی ترکیب میں جو صنعت و کاریگری، گہرائی و گیرائی اور اندر در اندر پوشیدہ اسرار و طلسم کا نظارہ دیکھنے کو ملتا ہے وہ انہیں صانع حقیقی کے وجود کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے۔ ظاہر میں جو جڑ، پتہ، کلی، پھول اور پھل دکھائی دے رہا ہے، علم نباتات کے ماہر کو اس میں وہ کچھ بہت نظر آجاتا ہے جسے کوئی ناواقف، سادہ آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ ساری قدرتی تراکیب، حیوانات، نباتات، جمادات، جنگل، پہاڑ، آبشار، ارض وسما کی ہر شے شہادت دیتی نظر آتی ہے، کسی مافوق الفطرت ذات کی۔

نظام شمسی سے باہر ہزاروں سیارے منکشف ہو رہے ہیں۔ ماہرین فلکیات کے مطابق کتنے ہی سیارے ایسے ہیں جن کا درجہ حرارت اور جسامت زمین جیسی ہے، ان میں ممکنہ طور پر زندگی موجود ہوسکتی ہے۔ لاکھوں ستاروں کی تلاش اب تک ہوچکی ہے۔ اور کتنی ہی کہکشائیں اور کتنے ہی سیارے، اور کتنی ہی دنیائیں ابھی تک سامنے آنی باقی ہیں۔ رب المشرقین ورب المغربین اور رب المشارق ورب المغارب کا ظہور، سائنس اور انسانی ذہن کی نو بہ نو دریافتیں اور خیرہ نظر انکشافات عقل انسانی کیلئے حیران کن ہیں۔ قدرت کی عطا کردہ عدیم المثال قوتوں اور کائنات کے اسرار اور تخلیق حیات کی زرخیزی کا آنیوالے دنوں میں اور زیادہ بڑے پیمانے پر اظہار ہونا ہے۔ زکریا ورک کی کتاب طلسم انسانی جسم کے درج ذیل اقتباس سے انسانی جسم کے حیرت انگیز ساختوں اور ناقابل یقین اعداد و شمار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے اندرونی کائنات کا یہ بیان حسابی زبان میں پیش کیا ہے۔ ''انسان کی ایک مربع انچ کھال میں 19 ملین خلئے ہوتے ہیں۔ ان خلیوں میں ان کے علاوہ 60 بال، 90 تیل کے غدود، 19 خون کی شریانیں، 526 پسینے کے غدود 19000 سینسری سیل، موجود ہوتے ہیں۔ اوسط درجہ انسان کی کھال کا وزن 6 پاؤنڈ ہوتا ہے۔ انسانی خون کے ایک قطرے میں 250 ملین خون کے خلئے ہوتے ہیں۔ انسانی خون میں سرخ خلیوں کی تعداد 25 ٹریلین ہوتی ہے۔ ایک منفرد ریڈ بلڈ سیل اپنی 120 دن کی زندگی میں تین لاکھ مرتبہ جسم کا طواف کرتا ہے۔ مرد کے ایک کیوبک سینٹی میٹر خون میں 6.2 ملین ریڈ بلڈ سیل، اور عورت کے ایک کیوبک سینٹی میٹر خون میں 5.4 ملین ریڈ بلڈ سیل پائے جاتے ہیں۔ ایک سیکنڈ میں ہماری ہڈیوں کے گودے Bone Marrow کے اندر تین لاکھ ریڈ بلڈ سیل جنم لیتے ہیں۔ انسان کے ہر سیل کے مرکزے (نیوکلئیس) کے اندر 46 کمانی دار کروموسوم ہوتے ہیں۔ ان کروموسوم کے اندر پچاس ہزار سے ایک لاکھ جین پائے جاتے ہیں۔ انسان کا پورا جسم 75 ٹریلین خلیوں سے بنتا ہے۔ ایک بالغ انسان کے معدہ میں 35 بلین ہضم کرنیوالے غدود ہوتے ہیں۔ معدہ کے سیل ایک منٹ میں پانچ لاکھ خلئے دوبارہ پیدا کرتے ہیں۔ ایک بالغ آدمی کے منہ میں دس ہزار ذوقی کلیاں taste buds پائی جاتیں، ہر ذوقی کلی میں پچاس سینسری سیلز ہوتے ہیں۔''

اس طرح 29، ابواب پر مشتمل پوری کتاب انسانی جسم کے عجائب و غرائب کی ایک دلکش تصویر ہے، جس کو اس کے مؤلف نے خوبصورت ادبی پیرایہ میں پیش کیا ہے۔ زکریا ورک بہت باذوق، ذی علم اور صاحب نظر مؤرخ سائنس ہیں۔ انہوں نے جدید ترین دریافتوں اور معلومات کو ادبی حسن عطا کیا ہے۔ زبان کے خوبیوں کے ساتھ متعلقہ عضو کا بیان جس طرح حسب حال اشعار سے مزین ہے وہ ان کی خوش ذوقی اور اردو شعر و ادب سے ان کی خاص دلچسپی کا آئینہ ہے۔ جسمانی عجائبات کے حوالہ سے ایک عرصہ سے ان کا مطالعہ جاری تھا۔ اس موضوع سے متعلق ان کے مضامین برصغیر کے رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ انسانی جسم کی پیچیدگیوں اور قدرت کے انمول خزانوں کے اظہار کا کیا گیا ہے۔ آخر میں حصول صحت کے آسان نسخے دئے گئے ہیں۔

زکریا ورک کی اس سے قبل متعدد کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوچکی ہیں۔ ان میں 111 مسلمان سائنسداں (دو جلد)، سلام عبدالسلام، مسلمانوں کا نیوٹن، سوانح البیرونی، حکمائے اسلام، سائنس تاریخ کے آئینے میں قابل ذکر ہیں۔ مرکز فروغ سائنس علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ان کی دو کتابیں مسلمانوں کے سائنسی کارنامے، (2005) اور سوانح ابن رشد (2007) شائع ہوچکی ہیں۔ انہوں نے راقم کی کتاب ''قانون ابن سینا کے شارحین و مترجمین'' کے انگریزی ترجمہ (2014) کے فرائض بھی انجام دیئے ہیں۔ دسمبر 2013 میں انہوں نے ''یورپ میں احیاء علوم پر اسلامی اثرات'' کے عنوان سے علی گڑھ میں ابن سینا اکیڈیمی میں یادگاری خطبہ عطا کیا تھا۔ ان کا یہ خطبہ اس مجموعہ میں شامل ہے جو ابن سینا یادگاری خطبات کے نام سے 2017 میں اکیڈیمی سے شائع ہوا تھا۔ بدن انسان پر چونکا دینے والی اطلاعات پر مشتمل ان کی یہ کتاب اردو قارئین کی معلومات کے لئے خاص طور پر اضافہ کا باعث ہوگی۔ اور اسے بہت دلچسپی اور شوق سے پڑھا جائیگا۔ ***

پاکستان اور مذہبی دہشت گردی

سید ناصر احمد شاہ

کسی فرد یا گروہ کی جانب سے اپنے مذموم مقاصد (سیاسی، مذہبی، نظریاتی یا معاشی) کے حصول کی خاطر عوام الناس میں خوف و ہراس پھیلانے کے لئے تشدد کا شعوری استعمال دہشت گردی کہلاتا ہے۔ اس قبیح فعل کا ارتکاب کرنے والے لوگ دہشت گرد کہلاتے ہیں۔ ان اصطلاحات کا پہلے پہل استعمال اٹھارویں صدی میں انقلابِ فرانس کے دنوں میں کیا گیا۔ گزشتہ صدی کی آخری دو دہائیوں کے دوران دہشت گردی کی اصطلاح عام ہو گئی۔ دہشت گردی کے اس مذموم فعل کے مرتکب بعض اوقات حکومت اور بعض اوقات غیر ریاستی عناصر ہوتے ہیں۔ جہاں دہشت گردی کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہتھیار کے طور پر کئی سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی اور انقلابی جتھوں نے استعمال کیا وہیں بعض حکومتیں (شخصی اور جمہوری) بھی اس جرم کا ارتکاب اور پشت پناہی کرتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ بوکو حرام، القاعدہ، طالبان اور داعش ایسے دہشت گرد عراق، شام، نائجیریا، افغانستان اور پاکستان میں اپنی مذموم کاروائیوں میں ملوث رہے ہیں۔ پاکستان حالیہ سالوں میں دہشت گردی بلکہ بدترین دہشت گردی کا شکار رہا ہے۔ اس دہشت گردی میں اندرونی اور بیرونی دونوں عوامل اور عناصر ملوث رہے ہیں۔ پاک فوج نے گزشتہ چند سالوں میں بڑی دلیری اور جانفشانی سے اس عفریت پر بڑی حد تک قابو پا لیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے وطنِ عزیز میں مذہبی دہشت گردی کا جن ابھی تک قابو میں نہیں آ سکا یا شاید اسے قابو کرنے کے لئے کوئی سنجیدہ اور ٹھوس کوشش ہی نہیں ہوئی۔ پاکستان میں مذہبی دہشت گردی نے مذہبی عدم رواداری کی کوکھ سے جنم لیا۔ اس مذہبی عدم برداشت اور نفرت کے بیج ہماری قومی زندگی کے پہلے عشرے میں ہی ڈال دیئے گئے تھے جب ہمارے بعض کم فہم سیاستدانوں نے اپنے سیاسی مقاصد اور مفادات کی خاطر تنگ نظر ملاں کو قوم کے کندھوں پر سوار کرا دیا تھا اور یہ تنگ نظر ملاں اب پیر تسمہ پا بنا ہماری قومی زندگی کو مفلوج کئے ہوئے ہے۔ پاکستان میں مذہبی تنگ نظری اور عدم برداشت کی پہلی منظم مثال 1953 کے فسادات کی ہے۔ جب ایک سیاسی گروہ نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے مذہب اور ملاں کو استعمال کیا۔ سیاستدان اور مولوی کے اس گٹھ جوڑ کی دوسری مثال 1974 کے فسادات کی شکل میں سامنے آئی جب قائدِ عوام نے اپنے مفادات اور کرسی کے تحفظ کے لئے مذہبی عدم برداشت کو قانون کا جامہ پہنا دیا۔ یہ مذہبی منافرت اور عدم برداشت ایک باوردی مردِ مومن کے دور میں پورے عروج پر رہی۔ جب ڈالر اور ریال کی چمک دمک نے ہماری نظروں کو یوں خیرہ کیا کہ ہمیں نہ تو شیعہ سنی فسادات نظر آئے اور نہ ہی احمدیوں پر توڑے جانے والے مظالم دکھائی دیئے۔ یہ زمانہ ہماری قومی تاریخ کا بدترین دور تھا جب مذہب کی آڑ لے کر وہ تمام کام کارِ ثواب اور فرائضِ منصبی سمجھ کر کئے گئے جن کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ اس دور میں ریڈیو اور ٹی وی پر اذانیں سنائی دینے لگیں لیکن کئی مساجد میں نہ صرف اذان دینے پر پابندی لگا دی گئی بلکہ لفظ مسجد کا استعمال کچھ لوگوں کو پابندِ سلاسل کرنے کا باعث بن گیا۔ اس دور میں ہمیں ٹی وی نیوز کاسٹر تو دوپٹہ اوڑھے نظر آنے لگی لیکن اقلیتوں کے سر سے مذہبی آزادی کے تحفظ کی وہ چادر چھین لی گئی جو پاکستانی اقلیتوں کے سر پر بانی پاکستان نے 11 اگست 1947ء کو اوڑھائی تھی۔ پاکستانی قوم جو قائد کی زندگی میں ایک قوم تھی اسے پہلے مسلمان، ہندو، سکھ، عیسائی اور پارسی قرار دے کر کاٹا گیا پھر شیعہ، سنی اور احمدی تقسیم میں ڈال کر مزید ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ اب جہاں چار لوگ اکٹھے ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کو پاکستانی کی حیثیت سے نہیں بلکہ مذہب اور فرقے کے ٹیگ سے پہچانتے ہیں۔ ہم نے اپنی مذہبی اقلیتوں پر مختلف قدغنیں لگانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انہیں دیوار سے لگا دینے اور دیوار میں چن دینے کی پالیسی پر کاربند رہے ہیں۔ ایسی ایسی قانون سازی کی گئی کہ الامان۔ خدا اور مذہب کے نام پر وہ ظلم توڑے گئے کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ اگر کسی کو شک ہو تو کسی عیسائی، احمدی یا ہزارہ برادری والوں سے پوچھ لے ورنہ بادامی باغ، جوزف کالونی، گوجرانوالہ، چکوال، جہلم اور کوئٹہ میں برپا ہونے والی قیامتیں زیادہ دور کی بات نہیں۔ لوگوں کو دہکتے ہوئے بھٹے میں ڈال دینا، چھے ماہ کی ننھی بچی کو پانچ سالہ بہن اور بوڑھی دادی سمیت کمرہ میں بند کر کے باہر آگ اور دھوئیں کے حوالے کر دینا کہ تینوں دم گھٹ کر مر جائیں۔ کیا کچھ تحریر کیا جائے۔ آج

حالت یہ ہے کہ پاکستان میں عیسائی محفوظ ہیں نہ ہندو۔ سکھوں کو تحفظ حاصل ہے نہ ہزارہ برادری کو۔ احمدی تو ہیں ہی آسان ٹارگٹ۔ نہ احتجاج کرتے ہیں نہ مرنے والوں کے دام وصول کرتے ہیں۔ اہلِ تشیع کب امن میں ہیں۔ یا اللہ کس کی بدنظر ہے جو میرے وطن کو کھا رہی ہے۔ ابھی اسی ہفتے کا واقعہ ہے کہ سیالکوٹ شہر میں شر پسندوں نے، مشتعل ہجوم نے ایک ایسی عبادت گاہ کا تقدس پامال کیا جو 1874 میں تعمیر کی گئی تھی۔ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے سے ایک سو سال پہلے۔ تب اسے مسجد کہا جاتا تھا۔ علامہ اقبال بھی اپنے بچپن میں اس مسجد میں آتے رہے۔ پھر ایسا ہوا کہ 1984ء آ گیا اور اگرچہ طرزِ عبادت اور عبادت گزار وہی رہے لیکن اب اسے مسجد نہیں کہا جا سکتا چلیں مسجد نہ کہیں، عبادتگاہ کہہ لیں۔ کس نے آپ کو یہ اختیار دیا کہ کسی کی عبادتگاہ کو گرا دیں۔ پانچ چھے سو لوگ جو اس مذموم اور انسانیت سوز فعل کے مرتکب ہوئے وہ مشتعل ہجوم نہیں تھے جناب وہ مذہبی دہشت گرد تھے، ان کا یہ فعل دہشت گردی کے زمرے میں آتا ہے۔ حیرت اور دکھ کا مقام ہے کہ یہ سب کچھ انتظامیہ اور پولیس کی ملی بھگت سے اور ان کی موجودگی میں ہوا۔ میونسپل کمیٹی کے نزدیک اگر کسی عمارت کی تعمیر یا تزئین غیر قانونی تھی تو آپ نے اسے سیل کر دیا تھا۔ اب اسے رات گئے گرانے کی کاروائی کیوں اور کیسے عمل میں لائی گئی؟ کیا ایسا کرنے سے پہلے تمام قانونی تقاضے پورے کئے گئے؟ کیا یہ کام دن کی روشنی میں ڈیوٹی آورز کے دوران انجام نہیں دیا جا سکتا تھا؟ اس جلد بازی کو کیا نام دیا جائے؟ رات کا وقت اس کام کے لئے کیوں چنا گیا؟ ان سوالات کے جوابات کون دے گا۔ پولیس یا تحصیل اور ضلعی انتظامیہ؟ ان کے جوابات سے پہلے یہ سوال بہت اہم ہے کہ عمومی طور پر لبرل سمجھی جانے والی ایک سیاسی جماعت سے وابستہ قرار دیئے جانے والے جس شر پسند کی قیادت میں عبادتگاہ کا تقدس مجروح کیا گیا اس نے اس کاروائی کے بعد اپنی فاتحانہ تقریر میں ڈی پی او، ڈی سی اور چیرمین کا خصوصی شکریہ کیوں ادا کیا؟ کیا پولیس اور ضلعی انتظامیہ کا دامن داغدار نہیں ہو گیا؟ اس شر پسند نے اپنی اس تقریر میں کچھ مذہبی گروہوں کے نام لئے جن کے اراکین اس کے ساتھ تھے کیوں ان کے خلاف قانون حرکت میں نہیں آ رہا؟ اس تقریر کو اقبالِ جرم کیوں نہیں سمجھا جا رہا؟ اس شر پسند نے اپنی اس تقریر میں انتظامیہ کو دھمکی کیوں دی کہ میرے کسی کارندے کے خلاف مقدمہ نہیں بنایا جائے گا؟ ان سوالات کے دیانتدارانہ جوابات سارے مسئلے پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہیں۔ جناب !دل خون کے آنسو روتا ہے مقتدر طبقہ کی بے حسی پر، اشرافیہ کی سنگدلی پر۔ کسی سیاسی لیڈر کی طرف سے اس واقعہ کی مذمت نہ ہونا ہماری اخلاقی حالت کی بہترین تصویر ہے۔ ہاں مگر ایک باہمت خاتون سینیٹر جس نے سینٹ کے فلور پر اس واقعے کی مذمت کی مگر ہمارے مرد سیاستدان بالخصوص بڑے سیاسی رہنما حسبِ روایت کس مصلحت کا شکار ہیں؟ ہزارہ برادری کی اشک شوئی کے لئے تو جنرل صاحب بھی تشریف لے گئے تھے، چیف جسٹس صاحب نے نوٹس بھی لے لیا تھا۔ لیکن یہاں کوئی آئے گا نہیں۔ یہاں کون نوٹس لے گا؟ کوئی نہیں۔ تاریخ گواہ ہے۔ لیکن پھر بھی چیف جسٹس صاحب سے درخواست ہے کہ اس مذہبی دہشت گردی کے تدارک کے لئے کچھ کریں۔ ایک سوموٹو احمدیوں کی ہمدردی میں نہ سہی، مذہبی اشتعال انگیزی اور ہجوم پسندی کے خلاف ہی لے لیں۔ نیشنل ایکشن پلان والے کدھر ہیں؟ جناب ایک نظر ادھر بھی۔ یہ امن پسند اور مظلوم لوگ ہیں۔ الگ مزاج والے۔ آپ کے سامنے احتجاج کریں گے نہ شکایت۔ لیکن اربابِ حل وعقد! وہ ایک آنسو جو رب کے حضور کسی مظلوم آنکھ سے بہہ گیا کیا ہو گا اگر وہاں نوٹس لے لیا گیا کہ وہ خالق بھی ہے، رحیم بھی ہے، سمیع بھی ہے، بصیر بھی ہے، عادل بھی اور قہار بھی۔***

نعت۔ ناصرہ رفیق

نہ قیام ہے نہ سجود ہے میرے عشق کی تو نماز ہے
میرے شوق کو ملے آگہی میری بندگی کا سوال ہے
میری آرزو کو نوا ملے صدقہ حبیب خدا ملے
تیری حکمتیں میرا مدعا پروردگاری خیال ہے
تجھے اَصفیا کا ہو واسطہ شہہ انبیاء کا ہو واسطہ
خیرات میں تیری بخششیں میرے ہاتھ میرا اعمال ہے
تو میرا رب شفیق ہے تو غفور ہے تو رحیم ہے
تو تلاش میری نظر کی ہے تو میری دعا کا جمال ہے
میری اُلفتیں ہیں حضور ﷺ سے میری نسبتیں ہیں حضور سے
جو نظر ملے تو امیر ہوں ناصرہ یہی میرا مال ہے

شذرات_ اخبارات ورسائل کے فکر انگیز اقتباسات

شاہد احمد چیمہ

میری فریاد-

جناب عبدالرؤف اپنے کالم میں لکھتے ہیں۔دودھ میں پانی،شہد میں شیرہ ،امتحانات میں نقل،ناپ تول میں کمی،دوستی میں خودغرضی،ایمان میں منافقت ،رشتوں میں اذیت،ہلدی میں مصنوعی رنگ،مرچ میں سرخ اینٹیں،نوکری میں سفارش ورشوت،ہوٹلوں میں مردار کا گوشت،بجلی میں ہیرا پھیری،ٹیکس کی ادائیگی میں چوری،عبادت میں ریاکاری.....اور کہتے ہیں حکمران ٹھیک نہیں۔''اللہ ہو'' کون بچائے گا ایسے میں۔اگر گوشت کے نام پر گدھوں کا گوشت ملے،اگر دودھ کے نام پر کپڑے دھونے کے پاؤڈر کی آمیزش سے بنا محلول ملے،اگر ریاکاری عام ہو،اگر ہوس نے ہر طرف ڈیرہ کیا ہو تو انسان کہاں ملے گا اور میں اس میں نیک و پارسا حکمران تلاش کر رہا ہوں۔

(روزنامہ جنگ 9 اگست 2015ء)

تم مسلماں ہو کہ جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود:

شکیل فاروقی لکھتے ہیں:ایک زمانہ تھا کہ جب جیب تراشی کے واقعات اِکا دُکا سننے میں آتے تھے اور وہ بھی میلوں ٹھیلوں اور بڑے بڑے اجتماعات میں۔مگر اب تو یہ وبا اس قدر عام ہو چکی ہے کہ الامان والحفیظ۔شادی بیاہ کے اجتماعات میں تو جیب تراشی روزمرہ کا معمول بن گئی ہے۔جس کے باعث خوشی کا یہ ساماں ذرا دیر میں سوگ کی محفل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔یہ ہمارے معاشرے کی اخلاقی پستی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔افسوس صد افسوس کہ ہم اخلاقی طور پر اتنے گر چکے ہیں کہ ہمارے یہاں جنازوں تک میں بھی جیب تراشی کے واقعات پیش آرہے ہیں۔اپنے معاشرے کی اخلاقی پستی پر جتنا بھی ماتم کیا جائے وہ کم ہے۔لوگوں کے دلوں سے خوفِ خدا اب اس حد تک ختم ہو چکا ہے کہ مساجد میں جوتے چرانے کی وارداتوں میں روز بہ روز اضافہ ہی ہو رہا ہے۔جس کی وجہ سے بیچارے نمازی نہ صرف اپنے جوتے اپنے ساتھ لے جانے بلکہ اپنی اگلی جانب رکھنے پر بھی مجبور ہو چکے ہیں۔اس پر ہمیں اپنے ایک دوست سے ایک غیر مسلم کی جانب سے پوچھا جانے والا یہ معصومانہ سوال یاد آرہا ہے کہ''کیا آپ لوگ مسجد میں جوتوں کی پوجا کرتے ہیں ؟''بلاشبہ مساجد خانہ خدا ہیں اور ان کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔اب اگر کوئی خانہ خدا میں جوتا چرانے کی حرکت کرے تو اسے آپ کیا کہیے گا عام مساجد تو درکنار،نام نہاد مسلمانوں کی اخلاقی پستی کا عالم اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ہو سکتا ہے کہ خانہ کعبہ جیسی مقدس ترین جگہ پر بھی جیب تراشی کے واقعات پیش آرہے ہیں۔اقبال کے الفاظ میں ایسی صورتحال کے بارے میں اس کے سوائے اب اور کیا کہا جا سکتا ہے۔یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔ (روزنامہ ایکسپریس 8 ستمبر 2015ء)

جواب آں غزل:

مذکورہ بالا عنوان کے تحت جناب محمد صدیق قادری صاحب لکھتے ہیں:

مورخہ 27 ستمبر کو روزنامہ اوصاف میں حافظ محمد افضل صاحب کا مضمون ''قیام پاکستان اور علمائے دیوبند'' پڑھنے کا اتفاق ہوا۔موصوف کے خیال میں مولانا حسین احمد مدنی،مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی وغیرہ کی تحریک پاکستان کی مخالفت کی اصل وجہ قائداعظم اور ان کے رفقاء میں خطہ زمین حاصل کرنے کے بعد اس میں اسلامی نظام قائم کرنے کیلئے مطلوبہ اہلیت کا فقدان تھا۔ان میں جرات و،تقویٰ و پرہیز گاری،علم وفضل،فہم وفراست عقیدہ وعمل،تقویٰ وطہارت،عزیمت اور ایثار وقربانی ناپید تھی۔حیرت ہے کہ نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود موصوف آج بھی اپنے اکابرین کی غلط فیصلوں کو درست ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

اسے''عذر گناہ بدتر از گناہ'' سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ان میں مذکورہ صفات موجود نہ تھیں تو موصوف کے اکابرین کو یہ حق کیسے تفویض ہو سکتا تھا کہ وہ ہندو کانگریس کی ہمنوائی کرتے ہوئے متحدہ قومیت کو اپنا کر مسلم قومیت کا انکار کرتے۔مسٹر گاندھی کو جامع شیخ خیرالدین امرتسر میں لاکر منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بٹھاتے۔خود اس کے قدموں میں بیٹھ کر یہ دعا کرتے کہ یا اللہ تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔

(حوالہ ہو تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم)

دسمبر 1920ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کی دسمبر کوششوں سے قائم ہونے والے مدرسہ اسلامیہ کلکتہ میں صدر مدرس مولانا حسین احمد مدنی مقرر ہوئے جس کی رسمِ افتتاح مسٹر گاندھی نے کی۔اس واقعہ پر مسلمانوں کے علاوہ ہندو بڑی تعداد میں موجود تھے۔

(بحوالہ مکاتیب ابوالکلام آزاد مرتبہ ابوسلمان شاہ جہانپوری مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ)

نکاح ٹوٹ گئے...

جناب اثر چوہان صاحب اپنے ایک کالم میں لکھتے ہیں:

'قیام پاکستان سے پہلے پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک مولوی صاحب گاؤں کے ہندو بنیے سے کسی بات پر ناراض ہوگئے تو انہوں نے جمعہ کے خطبے سے پہلے اعلان کیا کہ مکند لعل وہابی ہوگیا ہے لہٰذا کوئی مسلمان اس کی دکان سے سودا نہ خریدے۔مسلمانوں نے مکند لعل کی دکان کا بائیکاٹ کر دیا تو اس کی دکان ٹھپ ہوگئی۔چنانچہ ایک رات وہ رات کے اندھیرے میں مولوی صاحب کے حضور حاضر ہوا۔معافی مانگی تو اگلے جمعہ مولوی صاحب نے فتویٰ واپس لے لیا۔مکند لعل کی دکان پر پھر رونق ہونے لگی۔اس دوران کسی بھی مسلمان نے اس نکتے پر غور نہیں کیا کہ کوئی بھی ہندو ''وہابی'' کیسے ہوسکتا ہے۔تحریک پاکستان کے دنوں میں بعض علماء حضرات نے اس طرز کے فتوے بھی دیئے تھے جو کوئی آل انڈیا مسلم لیگ کا ساتھ دے گا یا اس کے امیدوار کو ووٹ دے گا اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا اور اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائیگی۔1970ء کے عام انتخابات سے قبل 13 علماء نے ذوالفقار علی بھٹو کے اقتصادی پروگرام سوشلزم یا اسلامی سوشلزم کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا لیکن مغربی پاکستان نے بھٹو کی پیپلز پارٹی کو سب سے زیادہ ووٹ دیئے۔1970ء میں امریکی قونصل جنرل لاہور کی دعوت افطار میں کچھ سیاستدان شریک ہوئے تو ایک مسلک کے علماء نے فتویٰ دیا کہ جن لوگوں نے مسٹر رچرڈ میکی کی دعوت افطار میں شرکت کی ہے ان کے نکاح ٹوٹ گئے دعوت افطار میں مولانا عبدالستار خان نیازی بھی موجود تھے،لوگ حیران تھے مولانا کا تو نکاح نہیں ہوا تو ٹوٹے گا کیسے؟1970ء میں کراچی کے ایک دارالعلوم کے علماء نے فتویٰ دیا ''بھارتی فلموں کے فلاں فلاں گانے سننا اور انہیں گنگنانا کفر ہے ان گانوں کو سننے اور گنگنانے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے گا اور اس کا نکاح ٹوٹ جائے گا۔حال میں ایک ''عالم دین'' نے فتویٰ دیا ہے مختلف این جی اوز کی رُکن خواتین سے کوئی بھی مسلمان زبردستی نکاح کرسکتا ہے۔جس کا پڑھے لکھے طبقوں میں شدید ردعمل ہوا۔بعض علماء کے اس طرح کے روّیے سے بین الاقوامی سطح پر اسلام دشمنوں کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کا موقع ملتا ہے''۔

(روزنامہ پاکستان لاہور 7 اکتوبر 2000ء)

صورت حالات

''شاعر لاہور'' محترم جناب ثاقب زیروی صاحب ملکی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثاقب زیروی

لاوا پک رہا ہے دلوں میں نفاق کا
ہر سمت چل رہی ہوا انتشار کی
نسوں میں بھی حرارت آلات جنگ ہے
شعلے اُگل رہی ہیں ہوائیں بہار کی

(ہفت روزہ ''لاہور'' 21ء اکتوبر 2000ء صفحہ 14)

منزل مقصود سیدوری:

حکیم محمد سعید لکھتے ہیں:

''ایک وقت تھا مسلمان معلم اخلاق سمجھے جاتے تھے۔وہ دنیا بھر کے لوگوں کو نیک کاموں کی تربیت دے کر ان کے اخلاقی معیار کو کرتے تھے۔اس طرح خود ان کا اخلاق ضرب المثل ہوگیا تھا۔مگر آج ہماری بداخلاقی ضرب المثل ہوگئی ہے۔لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے مسلمانوں کو ان کے اس مقام کی یاد دلائی جائے جسے انہوں نے اپنی نادانی سے ترک کر دیا ہے اور ترغیب دی جائے اس منزل مقصود کو دوبارہ حاصل کریں۔

لا پھر اک بار بادہ وجام اے ساقی
یاد آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی

(سوئز رلینڈ میں میرے چند شب و روز صفحہ 183 حکیم محمد سعید ناشر ہمدرد اکیڈمی کراچی)

نوسربازیاں

جناب سعد اللہ جان برق صاحب ایک قاری کے خط کے جواب میں جس نے تاج کمپنی میں رقم جمع کروائی تھی لکھتے ہیں:

''دنیاوی معاملات میں نوسربازی تو چلتی رہتی ہے لیکن اب دین کے

مقدس نام پر جو نوسر بازیاں بہت بڑے پیمانے پر چل رہیں۔اسے دیکھ کر ہم جیسے کم علم اور دنیادار تو دم بخود رہ جاتے ہیں لیکن بزرگان دین جیسا حلیہ بنا کر خدا اور رسول کے نام پر لوٹنے والوں کے کانوں پر ذرّہ بھر بھی جوں نہیں رینگتی پورے دین کو ڈکار جاتے ہیں، قرآن کو ڈکار جاتے ہیں حتیٰ خدا اور رسول کے مقدس نام تک ڈکار لیتے ہیں لیکن بڑے آرام سے اپنی توندوں پر ہاتھ پھیر کر الحمدللہ الحمدللہ کرتے رہتے ہیں۔نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے دین کی اشاعت، جہاد، مدرسوں، قرآن اور مسجد کے نام پر یہ لوگ وہ وہ کچھ کر جاتے ہیں۔اگر کافر کو بھی کرنا پڑے تو وہ سو بار سوچ کر کرے گا بلکہ ہمارا خیال ہے کافر وہ کام کر نہیں سکتے جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔اشاعت دین کے نام پر ذرا بازار میں پڑی ہوئی کتابوں کا جائزہ لیجئے طرح طرح اور بھانت بھانت کی کتابیں اور غلط ملط چھاپ کر ذہنوں کو پراگندہ کیا جارہا ہے۔کبھی کبھی تو ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو لوگ خدا، رسول، قرآن اور دین کے نام پر فراڈ کرتے ہیں یہ دراصل مسلمان ہوتے نہیں۔کیا یہ ممکن ہے میں خدا پر یقین بھی رکھوں پانچ وقت اس کے سامنے حاضری بھی دوں اور بیچ بیچ میں اسی خدا کے نام پر فراڈ اور حرام خوری بھی کروں اگر میں خدا کو مانتا ہوں اور پانچ وقت اس کے سامنے حاضری بھی دوں تو یہ ممکن نہیں میں اس کے حکم کی ذرّہ بھر بھی خلاف ورزی کروں۔کیا مجھے ذرّہ بھر بھی شرم نہیں آئیگی صبح اس کے سامنے پیش ہو کر اس کے ساتھ وعدہ وعید کروں پھر ظہر تک انسانوں کو ذبح کرتا رہوں اور پھر اس کے سامنے اسی آلودہ ہاتھوں اور چہرے کے ساتھ پیش ہو جاؤں۔ہمارا تو آپ کو مشورہ ہے اپنی ساری اُمیدیں توڑ دیں کیونکہ دراصل یہ سارے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔کوئی کیا بیچ رہا ہے اور کوئی کیا اور کسی مسبب الاسباب سے رجوع کیجئے جس نے ان لوگوں کی رسی نہ جانے کیوں دراز کر رکھی ہے۔ (روزنامہ ''ایکسپریس'' فیصل آباد 9 جون 2003ء)

مولوی محمد حسین بٹالوی

اس امن و آزادی عام و حسن انتظام برٹش گورنمنٹ کی نظر سے اہل حدیث ہند اس سلطنت کو از بس غنیمت سمجھتے ہیں اور اس سلطنت کی رعایا ہونے کو اسلامی سلطنتوں کی رعایا ہونے سے بہتر جانتے ہیں۔''

(رسالہ اشاۃ السنہ د 6 نمبر 10 صفحہ 292-293)

***

اور یا مقبول جان کی خرافات

اے آر خان

اور یا مقبول جان جو کہ ایک سابقہ راشی بیوروکریٹ آف بلوچستان ہیں صحافی اور نام نہاد عالم بننے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔مسلم اُمہ کے ترجمان بنکر ہر پلیٹ فارم کو استعمال کرنے کی کوشش میں ہیں۔پچھلے ہفتے ان صاحب نے ایک انٹرویو میں اپنے قد سے بڑھ کر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے متعلق خرافات بیان کی ہیں۔یہ صاحب ختم نبوت کا فورم بھی استعمال کرتے رہے ہیں۔کیپٹن صفدر داماد اعلیٰ، اور مودودی صاحب کے مرید ہیں۔اندھے تعصب میں انہوں نے کہا ہے۔کہ ڈاکٹر عبدالسلام کا نام فزکس ڈیپارٹمنٹ کو دے کر یہ لوگ آگ لگانا چاہتے ہیں۔پھر ہرزہ سرائی کی ہے کہ کیا کوئی کسی بھی ڈیپارٹمنٹ کا نام یزید یا ہٹلر رکھا جاسکتا ہے۔ان صاحب نے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی ان شخصیات سے موازنہ کرنے کی واہیات کوشش کی ہے۔یہ مخنوث مسلم، احراری، مودودی نظریے کا داعی، انتہا پسندی کا نشان، مذہب کا لبادہ اوڑھ کر، سستی شہرت حاصل کرنے کے لئے کیا کیا خرافات بک رہا ہے۔اور نفرتیں پھیلا کر پاکستان کو کمزور کرنے کے زعم میں مبتلا ہے۔اس سے کوئی پوچھے کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے تو پاکستان کی خدمت کی ہے۔ہر لحاظ سے وہ ایک محب وطن تھا۔کیا یزید یا ہٹلر نے بھی کوئی اس وطن کی خدمت کی ہے۔ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے تو اس ملک کو ایٹمی طاقت بنانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔جس کی گواہی تمغہ ہلال پاکستان جو جنرل ضیاء الحق نے ڈاکٹر عبدالسلام کو دیا تھا، وہ گواہی دیتا ہے۔پانچ صد سائنسدان پاکستانیوں کو اٹلی میں پڑھا کر ملک کو ترقی دی۔کیا یزید اور ہٹلر نے بھی کچھ ایسا کیا تھا۔پھر دنیا ساری نے تقریباً ۲۸ ممالک سعودی عرب سمیت، نے ان کی خدمات کو سراہا ہے۔تم کون سے فلاسفر اور اسکالر ہو جو ڈاکٹر عبدالسلام کو یزید اور ہٹلر گردانتے ہو۔اگر اسلامی پلیٹ فارم بدقسمتی سے تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ختم نبوت کے گماشتے تم بن ہی گئے ہو تو کم از کم سچ تو بولو۔تم ایک راشی بیوروکریٹ ایک عظیم الشان نوبل لاریٹ کے خلاف بول کر وقتی طور پر نفرت پھیلا کر فرعونی کردار تو ادا کر سکتے ہو مگر ایک خورشید کی روشنی کو ذرا سا مدھم بھی نہیں کر سکتے۔ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو ان ناموں کی ضرورت نہیں۔وہ تو امر ہو گیا۔کسی کو یزید یا ہٹلر کہنے سے آپ کا اندر کا فرعون نظر آتا ہے۔عریاں فضول جان نے کہا ہے کہ قوم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب سے نفرت کرتی ہے۔جو کہ سو فی صد کذب ہے۔قوم آپ سے اور آپ کے اکابرین سے نفرت کرتی ہے۔تم لوگ اور تمہارے سب اکابرین

دشمن پاکستان تھے اور ہو اب تک۔ علمائے سُو کی شکل میں تم خوار ہوتے گلی گلی پھر رہے ہو۔ دشمنان پاکستان مودودی صاحب، حسین احمد مدنی، عطاء اللہ شاہ بخاری ، باچا خان، خاکسار، علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کا موازنہ عبداللہ بن ابی سے کیوں نہیں کرتے۔ ان کو ابھی تک اہل پاکستان نے تسلیم نہیں کیا۔ کوئی بھی قومی تمغہ اب تک ان کو نہیں دیا گیا اور نہ ہی کسی قومی عمارت کا نام ان غداروں کے نام پر رکھا ہے۔ ۱۹۴۵ کے بعد دوبارہ ۱۹۷۰ میں ساری قوم نے ان غداروں کو اور ان کی پارٹیوں کو ووٹ نہ دے کر اُن کی حیثیت متعین کر کے سب دینی جماعتوں کو شکست فاش دے دی تھی اور پیپلز پارٹی کو جتایا تھا۔ قوم نہ ہی ان غداروں کو مانتی ہے اور نہ ہی ان کو پسند کرتی ہے۔ صرف چند شر پسند عناصر اور لونچڑے ہیں جو آئے دن اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اتنی طاقت اور مقبولیت رکھتے ہو تو میدان میں آؤ ۔ کسی بھی قومی ادارے کا نام ان غداروں کے نام پر رکھ کر دکھلاؤ۔ احمدیت سے کوئی نفرت نہیں کرتا۔ یہ سب ڈھونگ اور پراپیگنڈہ ہے۔ میڈیا ٹرائل ہے۔ لوگ اب بھی احمدی ہو رہے ہیں۔ آپ کے نادرہ ڈیپارٹمنٹ نے ابھی ایک ماہ قبل بذریعہ (جسٹس شوکت یزید صدیقی) بتایا ہے ہے کہ تین سالوں میں دس ہزار پاکستانیوں نے احمدیت قبول کی ہے۔ جس طرح ممتاز قادری کی پھانسی رُکوانے میں اس غدار طائفے نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر اپنے منہ کی کھائی۔ اگر اتنی مقبولیت ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔ ن لیگ نے ہی نے ڈاکٹر عبدالسلام کا نام تجویز کیا تھا، احمدیوں نے کوئی استدعا نہیں کی تھی۔ اور اب اس کے ڈاکو داماد اعلیٰ نے ہی یہ شرارت شروع کی ہے کیونکہ الیکشن قریب ہیں۔ داماد کو چاہیئے تھا کہ اس ڈیپارٹمنٹ کا نام ممتاز قادری فزکس ڈیپارٹمنٹ رکھوا دے۔ یا مودودی کے نام، عطاء اللہ شاہ بخاری کے نام پر رکھوا دے۔ جو دنیا کا غلاظ اور گالی باز تھا۔ منور حسن کا نام بھی بہتر رہے گا۔ جو اپنی پاک فوج کے مقابلے میں طالبان کو شہید کہتا ہے۔ یا مولوی برقع عبدالعزیز کے نام پر رکھوا دے۔ جو کہتا ہے یا میرے اللہ پاکستان کو دائش کا وطن بنا دے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو تمہارے اداروں کے نام کی ضرورت نہیں۔ اُسے خدا نے بہت عزت دی ہے۔ ساری دنیا عزت دے رہی ہے۔ تم بے شک عزت نہ دو ۔ تم لوگوں نے تو کبھی اپنے باپ کو عزت نہیں دی۔ قائداعظم کو کافر اعظم کہا، اس کی بہن پر الزامات لگائے، معمارانِ پاکستان کے خلاف ہر بازاری ملاں زبان دراز ہے۔ تم لوگ یزید کے پیرو ہو۔ ستر سال میں تم نے اسلام اور پاکستان کو بدنام کیا ہے ۔ پاکستان احمدیوں نے بنایا ہے اور تم غداروں نے کھایا ہے۔ قرارداد پاکستان کس نے لکھی تھی ایک احمدی ظفراللہ خان نے۔ گول میز کانفرنس لندن میں ۱۹۳۱ میں مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا مطالبہ کس نے پیش کیا تھا، ایک احمدی سر ظفراللہ خان نے۔ مسئلہ فلسطین کی جنگ یو این او کس نے لڑی۔ ایک احمدی سر ظفراللہ خان نے۔ مسئلہ کشمیر کی قرارداد کس نے منظور کروائی، ایک احمدی سر ظفراللہ خان نے، ایٹم بم بنانے کے لئے ساری مدد کی۔ پانچ سو پاکستانیوں کو اٹلی کے تھیوریٹیکل کالج اٹلی میں کس نے پڑھایا، ایک احمدی ڈاکٹر عبدالسلام نے۔ جنرل عبدالعلی ملک جس نے دنیا کی سب سے ٹینکوں کی بڑی جنگ لڑی۔ اور ہلالِ جرات لیا۔ جنرل اختر ملک فاتح اکھنور کشمیر جس نے ہلالِ جرات لیا۔ جنرل افتخار احمد جنجوعہ شہید، جنرل ناصر شہید ، جنرل اکبر، جنرل نذیر، ائیر مارشل ظفر چوہدری، جنرل محمود الحسن، جنرل نوری، احمدیوں کی خدمات کی ایک طویل فہرست ہے۔ حکومت پاکستان جس کا اعتراف بھی کرتی ہے۔ تم کون ہوتے ہو جعرا تیے ابن الوقت۔ ایک راشی بیوروکریٹس۔ جو میڈیا کی وساطت سے کذب بیانی کر کے سستی شہرت حاصل کرنے والے گماشتے ۔ جماعت اسلامی کے چمچے، ٹٹ پونجیئے، بنگلہ دیش بنانے والے، اگر تم لوگ اتنے متقی ہوتے تو بنگلہ دیش جماعت اسلامی کے لیڈروں کو پھانسی پر نہ لٹکاتا، پاکستان میں بھی تم سے بنگلہ دیش والا سلوک ہونے والا ہے، ۱۹۵۳ء میں عبدالستار نیازی نے فوج کے خوف سے داڑھی کٹوا دی تھی، اور ایک دیگ میں چھپ کر بھاگا تھا، ۱۹۶۲ میں آپ کے لیڈر مودودی اور عبدالستار نیازی کو پھانسی کی سزا ہوئی تھی، تم نے جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ختم نبوت کا پلیٹ فارم استعمال کر رہے ہو۔ تم منافقین کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے ۔ نہ تم اور نہ ختم نبوت کے گماشتے، کچھ بھی احمدیت کا اور اس کے ماننے والوں کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ یہ ایک اللہ تعالیٰ کا لگایا ہوا پودا ہے۔ جو ایک تناور درخت بن چکا ہے ۔ جس کی جڑیں ساری دنیا میں جڑ پکڑ چکی ہیں۔ تمہارے سارے آباؤ اجداد یہ حسرت لے کر دنیا سے چل بسے کہ اس سلسلے کو نابود کر دیا جائے۔ مگر وہ خود نابود ہو گئے۔ اور سلسلہ احمدیہ ساری دنیا میں بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا۔ ہمارے پاس مزید سو سے زیادہ ڈاکٹر عبدالسلام تیار ہو رہے ہیں اور جلد ہی اللہ تعالیٰ اُن کو منظر عام پر لانے والا ہے ۔ تمہارے پاس کیا ہے۔ غلاظ خادم رضوی جیسے علمائے سُو، اشرفی جیسے ڈرم، شیرانی جیسے خبطی، عبدلقوی جیسے عاشقِ قندیل بلوچ، نواز شریف جیسے ڈاکو زرداری جیسے بے ایمان، تمہارے پاس تو ایک بھی صادق اور امین نہیں۔ سب مختون مسلمان ہو۔ ایمان کی رتی تو تم میں ہے نہیں۔ ستر سال سے کشمیر بزور شمشیر بھی نہ لے سکے۔ اسلام کی غلط تفسیر کرنے والے۔ اب تمہارا آقا سعودی عرب بھی سینما اور جوئے خانے سارے ملک میں کھولنے لگا ہے۔ اُسے ہی سنبھال لو۔ بے شرمو۔ احمدیت کا مقابلہ تمہارے بس کی بات نہیں۔ ساری دنیا بھی اس کی مخالفت کرے تو اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ تم لوگ اپنی روٹی پوری کرنے کے لئے احمدیوں پر پابندیاں لگاؤ۔ سود اور سور کھاؤ۔ ملاوٹ کرو، قومی دولت سمیٹو، شراب پیئو، اپنے ہی مسلمان بھائی ہمسائے

کی بیٹی سے ریپ کرو۔ ڈاکے ڈالو، ملک کو لوٹو، قومی دولت کو بیرون ممالک منتقل کرو ،جنت کے لئے اپنے بھائی مسلمانوں کو شہید کرو، ہنود و یہود کے تم ایجنٹ ہو۔لعنتیو!

یہودی نہ بنو۔انسان بنو۔مسلمان بنو۔وہ بھی احمدیوں جیسے۔جو کفار مکہ کے ظلم برداشت کر رہے ہیں۔اور ابوجہل کی گردن میں سریا آ گیا ہے۔اور عریاں مقبول جان اس کا شاگردِ خاص ہے، جو کہ ناکام و نامراد ہوگا۔ذرا اپنے اور قوم کی مسلمانی کا اہل مدینہ سے موازنہ کرو۔مسٹر ڈیزل، سمیع الحق، مولوی برقع، کا کردار دیکھو، تم لوگ دنیادار ہو۔احمدیت کے خوف نے آپ سب ملاؤں کی نیندیں حرام کر دی ہیں ۔احمدیوں نے اہل مدینہ کی طرح کوئی تشدد کا راستہ نہیں اپنایا اور تم ظلم میں بڑھتے ہی جا رہے ہو، اُن کی اذان بند، کلمہ بند، مساجد بند، ووٹ بند، نوکری بند، دوکانوں میں داخلہ بند، کوئی اسلامی عمل بھی وہ کر نہیں سکتے۔یہ آپ کا اسلام ہے جس کا اسلام آباد سے تعلق ہے۔فرعون، اور ابوجہل کا روّیہ تم علمائے سُو نے اپنا رکھا ہے۔سچے ہو تو مباحثے کرو، اپنے عمل سے لوگوں کو اسلام میں داخل کرو۔اسلام کی تبلیغ کرو، نیک بنو

تم مسلماں ہو کہ جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود

***

آدم چغتائی برمنگھم

عشق میں ہم سے ہی وفا نہ ہوئی
زندگی درد سے جدا نہ ہوئی
چارہ گر شہر میں ہزاروں ہیں
میرے ہی درد کی دوا نہ ہوئی
لوگ کہتے ہیں مجھ کو دیوانہ
مجھ سے وارفتگی جُدا نہ ہوئی
تیرے قرباں اے وصالِ صنم
دلِ بیمار کو شفا نہ ہوئی
عمر جاوید مانگنے والو
زندگی کو کبھی بقا نہ ہوئی
اُن سے ملنے کی آرزو ہے ہمیں
جانے مقبول یہ دعا نہ ہوئی
ایسی جنت کو کیا کرے آدمؔ
جس میں شامل وہ خوش ادا نہ ہوئی

نغز گو شاعر، عبدالکریم قدسی

تحریر: زکریا ورک

اخبار ڈیلی الفضل کے سابق ایڈیٹر عبدالسمیع خاں کا کہنا ہے: خوبصورت اور دلکش لہجے والے شاعروں میں ایک ممتاز نام عبدالکریم قدسی کا ہے جو خدا کے فضل و کرم سے لفظاً اور معناً اس قدسی جماعت کا فرد ہے جس میں فطرت کی آواز بولتی ہے اور سچائی کی رُوح گونجتی ہے جس کی شاعری کو مواج خلافت اور امامت کے قدموں میں چمٹی رہتی ہے۔یہ درویش شاعر اپنے حال میں مست اور دنیا کی شوکت سے بے پرواہ ہے۔

عبدالکریم قدسی ۶ جون ۱۹۴۸ کو کرتو ضلع شیخوپورہ (پاکستان) میں بزم جہاں آراء ہوئے تھے ۱۹۶۸ء میں ملازمت کے سلسلے میں لاہور منتقل ہو گئے حضرت مصلح موعود کی وفات پر پہلی نظم قلم بند کی جو ماہنامہ خالد ربوہ کے صفحات کی زینت بنی تھی ادبی پرچوں، اور اخبارات کے ساتھ ساتھ ہفت روزہ لاہور، تحریک جدید، الفضل، خالد، انصاراللہ، بدر اور الفضل انٹرنیشنل میں ان کا کلام متواتر شائع ہوتا آ رہا ہے۔اس طرح ان کا ادبی سفر نصف صدی سے جاری ہے۔۱۹۷۲ میں ریڈیو پاکستان سے پہلا مشاعرہ پڑھا، جبکہ اسی سال ان کے ساتھ ایک شام بھی منائی گئی۔۲۰۰۶ اور ۲۰۰۸ میں امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کی شفقت سے لندن کے عالمی جلسہ سالانہ میں بطور مہمان خصوصی شرکت فرمائی۔نیز امام ہمام کی موجودگی میں مشاعرہ پڑھنے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔مسلم ٹیلی ویژن احمدیہ لندن پر ان کی مشہور نظموں کو ترنم کا لبادہ پہنایا جا چکا ہے۔ہوتا ہے جیسے چودھویں کے چاند کا ظہور...وہ دیکھ مسکراتے ہوئے آ گئے حضور تیس برس تک رچنا ٹاؤن لاہور میں جماعت احمدیہ کے سیکرٹری مال کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔بارہ سال تک یعنی ۲۰۰۱ سے ۲۰۱۳ تک روزنامہ الفضل کے حصہ نظم کے اعزازی نگران رہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ۱۹۹۳ میں تین شعراء کا ذکر اپنے خطبات میں فرمایا تھا یعنی محترمہ ڈاکٹر فہمیدہ منیر، چوہدری محمد علی اور جناب عبدالکریم قدسی۔حضور نے ۲۲ جنوری ۱۹۹۳ کے خطبہ جمعہ میں نہ صرف ان کی شاعری کا ذکر فرمایا بلکہ اُن کی ایک مشہور غزل کا مقطعہ بھی سنایا:۔

آ، تیرے بعد گلے ملنا ہی بھول گیا

آ، قدسی کو سینے سے لگا پہلے کی طرح

لاہور کی معروف ایجوکیشن یونیورسٹی میں ان کی اردو شاعری پر ایم اے کا مقالہ لکھا جا چکا ہے۔ پنجاب گورنمنٹ کے سرکاری پنجابی سلیبس میں ان کی دلپذیر نظمیں اور مضامین پڑھائے جا رہے ہیں۔ جامعہ احمدیہ ربوہ میں ان کے حالات زندگی اور شاعری کو اس سال سے نصاب میں شامل کیا جا چکا ہے۔

ان کی شاعری کی آٹھ مجموعے زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ اور مزید مجموعے شائع ہونے کے منتظر ہیں۔ اردو کے شائع شدہ مجموعے درج ذیل ہیں: اے میرے پیارے امام، رزق خیال، آداب ہجر، القصیدہ کا اردو منظوم ترجمہ، جو کہ جماعت احمدیہ کی تاریخ میں پہلی بار کیا گیا ہے۔ شاعری کی پنجابی مجموعے: پیڑ دے پتھر، برہوں دی رڑک، القصیدہ کا منظوم پنجابی ترجمہ جس میں درثمین کے ۱۳۳ اشعار کا منظوم ترجمہ بھی شامل اشاعت ہے۔ ان کی پنجابی غزلوں کی کتاب سردل گورمکھی رَسم الخط میں ۲۰۰۷ میں ہندوستان میں منصۂ شہود پر آ چکی ہے۔ ۲۰۰۶ میں بچوں کے پنجابی رسالہ پکھیرو نے ان کی بچوں کی نظموں پر مشتمل خاص نمبر شائع کیا تھا۔ ان کی اس کتاب کو پنجابی کا سب سے بڑا معتبر ایوارڈ ''مسعود کھدر پوش ایوارڈ'' مل چکا ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان رائٹرز گلڈ، حرفِ نوا ایوارڈ، ساغر صدیقی ایوارڈ اور ۲۰۰۲ میں پاکستان ٹیلی ویژن لاہور نے ان کو بہترین شاعر کا ایوارڈ دیا تھا۔ ان کے چالیس کے قریب گیت لاہور ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ریکارڈ ہو کر نشر کئے جا چکے ہیں۔ آپ پاکستان کے علاوہ، بھارت، سری لنکا، تھائی لینڈ، برطانیہ اور امریکہ میں اپنے منفرد اور رُوح پرور کلام کا لوہا منوا چکے ہیں۔

اس وقت آپ امریکہ کی ریاست ورجینیا میں مقیم ہیں۔

مرے شعور کو حسن و جمال ملتا ہے
تیرے خطوط سے رزق ِخیال ملتا ہے
پرائی فکر کی اُترن ہمیں پسند نہیں
دکان دل سے ہمیں تازہ مال ملتا ہے
کسی کسی کے مقدر میں قرب خوشبو ہے
یہ پھول ایسا ہے جو خال خال ملتا ہے
نہ جانے کس کی نظر لگ گئی ہے گلشن میں
جو پھول ملتا ہے وہ پائے مال ملتا ہے
کبھی تو جائیں گے اس بزم میں جہاں قدسیؔ
جواب ملتا ہے اِذنِ سوال ملتا ہے

لنگڑی لُولی جمہوریت

رجل خوشاب

وطن عزیز میں جمہوریت کے نام پر آمریت اور شہنشاہیت رواں دواں ہے۔ ابراہیم لنکن جب وطن عزیز کی جمہوریت اگر دیکھے تو ہزار ہزار آنسو روئے گا۔ ''اگر ایک معاشرہ روّیے کے لحاظ سے لبرل نہ ہو تو وہ جمہوری نہیں کہلا سکتا۔ آزادی فکر و نظر کے بغیر معاشرتی ارتقا کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ ایسے معاشرے افکار کے جوہڑ بن جاتے ہیں، جہاں تنقیدی شعور پروان نہ چڑھ سکے، مذہبی خیالات کی زندگی بھی اس پر موقوف ہے کہ وہ تنقید سے گزریں۔ اور وقت کی کسوٹی پر کھرے قرار نہ پائیں۔ یہی کارِ تجدید ہے، مذہب انسان کی فطری طلب ہے، کسی بھی دور کا انسان اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، تاہم مذہب اس حق کا سب سے بڑا علمبردار ہے کہ ہر انسان کو مذہبی آزادی ملنی چاہیئے۔'' اسلام کے نزدیک اس کی اتنی اہمیت ہے کہ اس نے مذہبی آزادی کے لئے جہاد کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید نے فتنے کے خاتمے کو جہاد کی ایک علّت بتایا ہے۔ فتنے سے مراد مذہبی جبر ہے۔ ایک اسلامی معاشرہ وہی ہو سکتا ہے جہاں لوگوں کو اپنی پسند کی زندگی گزارنے کی آزادی ہو) مگر وطنِ عزیز کی جمہوریت کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ پہلے تو اس کا نام جمہوریہ پاکستان ہونا چاہیئے، نا کہ اسلامی جمہوریہ، یا ہندو جمہوریہ، یہودی جمہوریہ، عیسائی جمہوریہ، بدھ جمہوریہ، جب جمہوریت کو اپنانا ہے تو اس میں مذہب کو ٹھونسنے کیا ضرورت ہے۔ مذہب کو اپنی اپنی ذاتی زندگی پر مسلط کرو۔ جب یہ ملک خداداد کا قیام عمل میں لایا جا رہا تھا تو اس وقت کوئی بھی جبہ پوش، مذہبی لیڈر اس کا دوست نہ تھا۔ سب اُس وقت کے علمائے سُو کانگرس کے ساتھ ملکر اس وطن عزیز کی مخالفت پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے ۔قائداعظم اور اس کے ساتھیوں کو کافر کہتے نہ تھکتے تھے۔ اب انہی کو اسلام کا درد شکم ہے۔ وہی قیام پاکستان کے دشمن اب بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ خفیہ طاقتوں کے ذریعے اب بھی مذہب کا لبادہ اوڑھ کر سادہ عوام کی صفوں میں گھس کر اصل جمہوریت کو چلنے نہیں دے رہے۔ آج چالیس سال ہونے کو آئے احمدیوں کو اس وطن عزیز میں ووٹ ڈالنے کا حق نہیں دیا گیا۔ جبکہ ساری دنیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ مسلمان کسی بھی ملک کا شہری ہو، اقلیت میں ہو، اُسے ساری جمہوری دنیا میں برابر ووٹ ڈالنے کا حق ہے۔ جب بھی احمدیوں کے حقوق یا ووٹ کی بات کی جاتی ہے۔ اسلام نہیں بلکہ اسلام آباد کو خطرہ ہونے لگتا

ہے۔کیا احمدی وطن عزیز کے شہری نہیں۔کیا وہ اسی ملک کے لئے قربانیاں نہیں دے رہے۔پاکستان کی قرارداد لکھنے والے، باؤنڈری کمیشن کے چیئرمین، پہلے وزیر خارجہ،ظفر اللہ خان کیا احمدی نہیں تھے؟،کیا ڈاکٹر عبدالسلام نوبل لارئیٹ احمدی نہیں تھے، جنرل اختر علی ملک فاتح اکھنور، جنرل عبدالعلی ملک فاتح چونڈہ ، جنرل افتخار جنجوعہ شہید، ایئر مارشل ظفر چوہدری، ایم ایم احمد، خدمت کرنے والے احمدیوں کی ایک طویل فہرست ہے۔آج جنکو ترجیح دی جارہی ہے کیا اُن کے آباؤاجداد دشمن پاکستان تھے۔مولانا مفتی محمود، حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، باچاخان، عطاءاللہ شاہ بخاری، مولانا مودودی، مولوی فضل حق ،علمائے دیوبند، اور بریلوی علما۔یہ سب قیام پاکستان کے اشدترین دشمن تھے اوراب ان کی نسلیں بھی پاکستان کی دشمن ہیں۔قیام پاکستان کی تاریخ کو پڑھو اوران کرداروں کی پہچان کرو۔جو قائداعظم کی تصاویر تک کو برداشت نہیں کرتے۔پاکستان کا منشور تک بدلنے پر اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ان کی چالوں میں مت آؤ۔یہ ملک مسلمانوں کے لئے بنا ہے۔مگر اسلام کے نہیں۔کیونکہ یہاں اسلام ۷۳ قسم کے ہیں۔اس لئے اس ملک میں جمہوریت ہی کو چلنے دینا چاہیئے۔یہ الگ بات ہے کہ ہمارے سیاسی لیڈر، بیوروکریٹس، کوئی نہ کوئی ذاتی خیالات رکھتے ہیں۔وہ اپنی ذاتی ناقص عقل سے پاکستان میں تجربہ کرکے اپنی مرضی کا نظام مسلط کرنا چاہتے ہیں۔بعض تو اسلام کا یا نام نہاد مذہبی جماعتوں کے کندھوں پر بیٹھ کر کوئی دقیانوسی نظام لانا چاہتے ہیں۔ان ستر سال میں ایسی ایسی بھونڈی حرکات عمل میں لائی گئی ہیں کہ جو کل عالم میں جگ ہنسائی کا باعث ہوئی ہیں۔اور ہمارے لیڈر یا حکمران بدیشی حکومتوں کے آلہ کار بنتے ہوئے نظر آئے ہیں۔اگر حقیقی جمہوریت کو لانا ہے تو کسی بھی مذہب سے حکومت اور قانون کو دور رکھنا ہوگا۔جو لوگ مذہب کو استعمال کرتے ہیں ان سے لازمی جان چھڑانی ہوگی۔اب تک جو دیکھا گیا ہے۔ہر پارٹی نے مذہب کو استعمال کیا ہے ۔جس میں پیپلز پارٹی صفِ اوّل میں نظر آتی ہے۔باقی بھی اسی لائن میں برابر ہیں۔ہمارے سیاسی لیڈران میں حُب الوطنی کا جذبہ کم، بیرونی طاقتوں پر انحصار زیادہ ہے۔آمریت اور خود پسندی زیادہ اور اپنی کابینہ سے مشورہ کم، میرٹ کم اور اقرباء پروری زیادہ، ہے۔ساری قوم مسلمان ہونے کے باوجود باعمل مسلمان اور صادق اور امین ثابت نہیں ہوسکی۔اکثر عوامی نمائندے، اور علمائے کرام کا دامن کسی بھی برائی سے پاک نہیں۔قوم میں بداعتمادی، انتشار روز بروز بڑھ رہا ہے۔لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ضیاع الحق کے زمانے میں جن نام نہاد مسلمان اکابرین نے اسلامی نظام لانے کی ناکام خواہش اور کوشش کی تھی۔جب ان کو اقتدار کی کرسیوں پر بٹھانے کا تجربہ کیا گیا تو سب مگرمچھ کی طرح حلال و حرام، حج اسکینڈلز، بڑے بڑے ادارے، نظریاتی کونسل، کشمیر کمیٹی، شرعی عدالتیں، احتساب بیورو، ہڑپ کر گئے۔(عطاءالحق قاسمی جیسوں نے بھی نظارے لئے) بلکہ سعودیہ اور امریکہ کے کفش بردار ٹھہرے۔وہ سعودی جن کو خود اسلام کا کچھ پتہ نہیں۔جو یورپ اور امریکہ کے جوئے خانوں، اور قہوہ خانوں کی رونق ہیں۔اسرائیل کے غلام ہیں، اب مستقبل قریب میں سب مسلمان حکومتوں کو سعودیہ اور امریکہ کی پیروی میں اسرائیل علیہ السلام کو تسلیم کرنا ہوگا۔علیہ السلام اس لئے لکھ رہا ہوں کہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے۔ہماری کیا مجال اگر سعودیہ کہے اور ہم نہ مانیں۔ہم تو ازل سے ان کے درباری ٹھہرے۔ ***

بشارت احمد بشارت

موت توں ودھ کے ڈرنئیں ہوندا
قبر توں اگے گھر نئیں ہوندا
چھوٹی سوچ دے لوکاں کولوں
کسے دا ہاسہ جرنئیں ہوندا
ہر کوئی اگلی جنت لبدا
گھر نوں جنت کر نئیں ہوندا
اوہ جینا تے جینا کوئی نئیں
جُڑیا جس نال مرنئیں ہوندا
جس دا فعل نہ قول برابر
بندہ ایسا نرنئیں ہوندا
تیرے دل نے پتھر رہنا
جے راتاں نوں ورنئیں ہوندا
کچیاں وانگر کھرجاویں گا
عشق جھناں جے ترنئیں ہوندا
جناں سُتیاں یار کھنجائے
تھل اوہناں توں سَرنئیں ہوندا
یار دے ناں نوں لاج نہ لاویں
جے کابل وچ مرنئیں ہوندا

زندگی کو زندگی میں خراج تحسین

فرخندہ رضوی خندہ

شاعر، ادیب، محقق، صحافی، مرثیہ گو، صفدر ہمدانی میرے اُستاد... صفدر ہمدانی کا نام کسی کی آنکھ سے پوشیدہ نہیں۔ معروف شاعر، مرثیہ نگار، ادیب، صحافی، ریڈیو براڈ کاسٹر، عالمی اخبار آن لائن کے مدیر اعلیٰ صفدر ھمدانی صاحب لاہور کے ایک علمی ادبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ایف سی کالج سے گریجوایشن کے بعد جامعہ پنجاب سے صحافت میں ایم اے کیا اور 1973 میں ریڈیو پاکستان سے بطور پروڈیوسر وابستہ ہوئے۔ لاہور ریڈیو اور ریڈیو اسلام آباد کے علاوہ پانچ برس تک پاکستان براڈ کاسٹنگ اکیڈیمی میں نئے آنے والے پروڈیوسروں کی تربیت بھی کی ایک شخص ایک نام اور کئی کام... ہزاروں کی تعداد میں شاگرد ایک ایسے مدرسے کا نام صفدر ھمدانی ہے۔ لفظ بے شمار مگر قلم کی نوک پر دَم توڑتے ہوئے مجھے کبھی بھی کسی کے لیئے اظہار خیال کرتے مشکل نہیں لگی مگر آج اِس معتبر شخصیت کے لیے کچھ کچھ گھبراہٹ سی ہے کیا میں یا میرا قلم انصاف کر پائے گا۔ ادبی سفر کے پچاس سے زائد عرصہ اور طویل سفر ... پچاس یا ساٹھ کا ہندسہ چھوٹا مگر سفر طویل اور تھکا دینے والا۔ صفدر ہمدانی صاحب بہت پیاری شخصیت کا نام دنیائے ادب میں تعارف کی ضرورت تو نہیں میں سب سے پہلے انکے ادبی سفر پر نگاہ ڈالنے اور اسکا ذکر کرنے سے پہلے چند لفظ ان سے اپنی ملاقات کے بارے گوش گزار کرنا چاہتی ہوں۔

میری اور ان کی ملاقات کا سفر زیادہ طویل تو نہیں آٹھ دس سال تو پلک جھپکتے ہی گزر جاتے ہیں۔ جب تک میں ان سے ملی نا تھی اس وقت تک تو ایک خوف ساتھ تھا، انٹرنیٹ کی دنیا سوشل میڈیا کے پلیٹ فارم سے پہلے تھوڑی سی معلومات ان کے بارے میں تھی۔ باضابطہ روبرو ملاقات ایک پیاری دوست ،شاعرہ افسانہ نگار، کالم نگار جو کہ آسٹریلیا میں مقیم ہیں ڈاکٹر نگہت نسیم اُن کی دو کتابوں کی رسمِ اَجرا لندن میں منعقد ہو رہی تھی میں وہاں انوائیٹڈ تھی۔ صفدر ہمدانی صاحب وہاں موجود اس تقریب کی صدارت کر رہے تھے۔ ان کا کلام اور رُوبرو باتیں سننے کا اتفاق پہلی بار ہوا۔ ان کی بارُعب، گونج دار آواز کا ذکر تو سُنا تھا جب انہیں دیکھا اور سُنا تو کچھ حد تک میرا ڈر ختم ہو گیا۔ میں نے انہیں بہت پیار کرنے والی شخصیت پایا۔ اسی دوران میرے رُوحانی اُستاد خالد یوسف صاحب کا انتقال ہوا تھا۔ ایسے میں خدا تعالیٰ نے مجھے ان کے بدلے بہت پیاری شخصیت سے متعارف کروایا، میرے قلم کی آواز جو مدہم پڑنے لگی تھی ان کی حوصلہ افزائی سے پھر سے طاقتوار ہونے لگی۔ پھر میں نے انہیں اپنا استاد تسلیم کیا اِن کی پیاری شخصیت کا ہر پہلو میں نے بخوبی دیکھا۔ ان کی قابلیت میرے قلم میں کبھی سما نہیں سکتی لاکھ کوشش بھی کروں۔ یہ ایسے تخلیقی لوگ ہوتے ہیں کائنات کو حسین سے حسین بناتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ایک ایسے ہی مدرسے کا نام صفدر ہمدانی ہے جن کے ہزاروں شاگرد جنہوں نے ان سے استفادہ کیا اور مستفید ہوئے۔ مجھے پہلے عالم و عارف کا مطلب معلوم نا تھا، مجھے اپنے قلم کی طاقت بہت کمزور لگتی تھی پھر میری اکثر ان سے گفتگو ہونے لگی میں نے اُستاد اور شاگرد کا مطلب جانا جو لوگ سمجھتے ہیں کہ ان دو رشتوں میں ڈر ہوتا ہے میں نے غلط ثابت کیا۔ یہ تو نہایت پُرخلوص وعزت واحترام کا رشتہ ہے۔ دائروں، نقطوں اور تلاش کی پگڈنڈیوں پر نکلنے کے لیئے کسی راہبر کی ضرورت پڑتی ہے مجھے ان میں یہ تمام صفتیں ملیں۔ میں نے اپنی شاعری کی اصلاح لیتے فخر محسوس کیا میرا سیکھنے کا عمل پھر سے تروتازہ ہو گیا۔ ان کی شخصیت کے پہلو سے نظر ہٹاؤں تو ان کے ادبی سفر پر نگاہیں ٹھہر سی جاتی ہین۔ براڈ کاسٹر، صحافی تو ابھی جگہ مگر انکا شمار مرثیہ نگاروں میں بہت بلند مقام پر ہے، بے شمار رباعیاں ،منقبت، سلام اور غزل گو کمال کے ہیں۔ ان کی غزلوں کا پہلا مجموعہ 1974 میں کفن پر تحریریں لاہور سے شائع ہوا اور بعد ازاں مختلف تصانیف کی اشاعت (فرات کے آنسو) مرثیوں کا مجموعہ، نور کربلا، سفرنامہ تہران گرعالمِ مشرق کا جنیوا شائع ہوا۔ انہوں نے ابتدا غزل سے کی مگر مرثیہ گو ہی کو ہی چُن لیا یوں تو ان کی ساری شاعری مولائے کائنات کے ذکر کرتے ہوئے قلبی گوشوں کو سکون وتقویت بخشتی ہے۔ وہ غزلیں، سلام، رباعیات بھی بے انتہا اچھی اور خوبصورت لکھتے ہیں۔ ہر مشکل صنف کا انتخاب کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ ان کی کچھ تصانیف پڑھنے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی ہر بار ایک نئے حظ کے ساتھ اِس سے مستفید اور محظوظ ہوتی گئی۔ بلاشبہ پرانے اور جدید مرثیہ نگاروں میں صفدر ہمدانی کا مقام بلند ہے۔ شاہد ہی کوئی انکے کلام کا صحیح احاطہ کر پایا ہو۔ میں بطور شاگرد جتنا جان پائی اتنا ہی عرض کرنے کی جسارت کروں گی، شاعری ان کو ورثے میں ملی۔ میرا مشاہدہ یہی ہوا کہ ان کی شاعری باکمال اور عمدہ لفظوں کے انتخاب سے لبریز، آسان تراکیب۔ تشبیہات سے کام لیتے ہوئے گہرے معانی کو باآسانی بیان کرنا، پڑھنے اور سننے والوں کی سماعتوں سے ٹکراتے ہوئے دل میں اُتر جاتے ہیں۔ مثلاً ایک رباعی میں استعمال کی گئی تشبیہات۔

خونِ اصغر سے فلک آج بھی رخشندہ ہے
صورتِ رنگ شفق خون بھی تابندہ ہے

کوئی بھی لیتا نہیں آج کہیں نامِ یزید
کُو بکُو نامِ حُسین ابنِ علی زندہ ہے

ان کی اعلیٰ ظرفی یہ کہ شہرت پرستی سے ہمیشہ دور اور سچے تخلیق کار کی طرح خیالات میں مستغرق رہے انہوں نے بہت سے ایسے جذبوں اور احساسات کو شاعری کی زبان عطا کی جنہیں اِن سے قبل اِس قدر خوبصورتی سے کم ہی بیان کیا گیا ہے، انکا ہر کلام خاص طور پر ادب کا سرمایہ ہے۔ فکری سوچ سے لبریز شاعری میں خیال اور سوچ کا مختلف انداز منفرد تراکیب کے ساتھ یکجا ہو کر احساس کی شدت پیدا کرتا ہے۔ ایک بڑا شاعر انسان اور اسکے حالات کے ساتھ صرف ہمدردی کا اظہار نہیں کرتا بلکے وہ اپنی شاعری سے ہمارے دلوں میں ایسا پاکیزہ ہیجان پیدا کرتا ہے جو ہمیں بنی نوع انسان کے ساتھ مہر و محبت کے رشتوں کو اور بھی استوار کرنے لیئے آمادہ اور مستور کر دیتا ہے۔ میں اپنے استاد محترم صفدر ہمدانی کو ایک شاعر ہی نہیں ایک مصور، بڑا مجسمہ ساز پایا جو درد و احساس کو یک جا کرنے کی مہارت رکھتا ہے۔ ان کا اُردو زبان و ادب کے کئی دھاروں اور روّیوں کا قریب سے مشاہدہ کیا ہے، مشاعروں میں نہیں جاتے انکا کہنا ہے وقت کا ضائع ہے اس کے باوجود شعر و ادب کے لیئے اپنے ذہن کے دریچوں کو ہمیشہ کھلا رکھا اور زمانے کے حالات و معاملات سے نہ صرف واقف رہے۔ سرد و گرم حالات کا مقابلہ اپنے قلم سے نکلے لفظوں میں اِس کی تپش محسوس کی۔ انکے کلام سے قدم قدم پر تازہ امکانات کا سراغ ملتا ہے لفظوں میں بے پناہ گہرائی، ہر رنگ میں ڈھالنے کا ہُنر رکھتے ہیں۔ میں کافی عرصے سے چاہتی تھی ان کے اور اپنے رشتے جو کہ محبت عزت میں بندھا معتبر سا رشتہ ان کی شخصیت اور انکے ادبی سفر کی کچھ نا کچھ روئیداد لکھوں۔ اکثر دیکھا گیا ہے جب ہمارے رشتے ہمارے ساتھ نہیں رہتے۔ داغِ مفارقت دے جاتے ہیں تب ہم ان کی شان میں پُل باندھتے ہیں۔ ان کی زندگی میں چند لفظ ان کے لیئے لکھتے نہیں بعد میں صفحے کالے کرتے ہیں وہ کس کام کے۔ ایسا میرا سوچنا ہے۔ میں اپنے فرض میں پوری اُتری یا نہیں مگر اپنے دل سے کیا وعدہ ضرور پورا کر ڈالا ہے۔ ان کے لفظ شاعری کے سمندر میں زندگی کی حقیقت بن کر ہمیشہ تیرتے، کبھی گوہر اور اُمید کی کرنوں میں روشن رہیں گے۔ انشااللہ۔ بہت سی دعا کے ساتھ اللہ پاک انہیں صحت و تندرستی والی زندگی سے نوازے رکھے۔

***

پروفیسر صفیہ سلطانہ جیکب آباد کے مجموعہ کلام
''میرا درد کیسے غزل ہوا'' پر اظہار خیال
درد اور محبت کی شاعرہ

تحریر -فرزانہ فرحت ۔لندن

''میرا درد کیسے غزل ہوا'' صفیہ سلطانہ کا سادہ، آسان اور ہلکے پھلکے انداز میں اپنی ذات کے اظہار کو اشعار میں ڈھالنے کا عمل ہے۔ اس نے دنیا کے دکھوں کو قریب سے دیکھا تو دکھوں کے پسِ منظر میں مخفی انسانی مجبوریوں اور محرومیوں کا مشاہدہ کیا انہیں اپنی ذات میں جذب کیا تو اظہارِ ذات شاعری کی صورت میں صفحہ ذہن سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہوا۔ جو درد کا سنگیت بھی ہے اور غموں کا گیت بھی۔ اسے کبھی زندگی لق و دق صحرا کی طرح محسوس ہوتی ہے جس میں تشنہ لبی ہے سراب ہے لیکن منزل کا نشان نہیں جہاں چاند بھی مدہم نظر آتا ہے، ستارے ٹوٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور سورج اپنی تمام تر تابانیوں کے باوجود اداس اور گہن زدہ نظر آتا ہے۔ ایسی آبلہ پائی میں خواب بھی عذاب کا منظر پیش کرتے ہیں۔

خود کو ہم نے جو خواب میں دیکھا
اک مسلسل عذاب میں دیکھا

یہ عذابِ مسلسل کیا ہے جب ملک کے گلی کوچوں میں ہر سو آسیب کے سائے چھائے ہوں شہر اپنی بربادی پر ماتم کر رہے ہوں اور گاؤں اپنی محرومیوں پر۔ دلوں سے اٹھنے والی نفرت کی آگ گلی کوچوں اور کھیت کھلیانوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر راکھ بنا رہی ہو۔ تہذیب اور معاشرت دم توڑ رہی ہو۔ تو شاعر کا دل نوحہ کناں ہوتا ہے اور اسے زندگی کا ہر موسم تاریک اور ہر خواب عذاب لگتا ہے۔ زندگی اسے ''سہمی ہوئی چڑیا'' کی مانند محسوس ہوتی ہے تو کبھی اسے ''ہوائیں بین کرتی'' ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ ہواؤں کو خوشی و سرشاری سے جھومتے تو دیکھا ہے۔ نسیمِ سحر میں بلبلوں کے نغمے تو سنے، ہواوں سے محبوب کی خوشبو پیغام بنکر آتی ہے۔ یہ تو سنا تھا کہ ہوائیں مسرت کے گیت گاتی ہیں۔ ہاں ہواؤں کے قہر کو طوفان میں ڈھلتے بھی دیکھا ہے لیکن کبھی ہواؤں کو بین کرتے نہیں دیکھا صفیہ سلطانہ جیسی حساس اور نرم و نازک دل رکھنے والی شاعرہ نے ان ہواؤں کا بین سنا ہے کہ جب شہر ستمگر سے آہ فغاں کرتی ہوئی ہوائیں صفیہ سلطانہ کے

دردِل پر دستک دے کر اسے مظالم کی داستانِ خونچکاں بیان کرتی ہیں۔تو وہ ہواوں کے اس بین کو محسوس کرتی ہے۔وہ ہوائیں بادلوں کے ساتھ آنسو بہاتی ہیں تو شاعرہ بے اختیار کہہ اُٹھتی ہے۔''ہوائیں بین کرتی ہیں'' انکی یہ نظم اسی بین کی منظر کشی ہے کہ صفیہ سلطانہ کا دل صبح کا اخبار پڑھتے ہی دہل جاتا ہے۔ مساجد میں بم دھماکے، امام بارگاہوں میں بم دھماکے۔اسکولوں میں بم دھماکے۔نمازی خدا کی بارگاہ میں سجدہ کرتے ہوئے زندہ جلا دیے گئے اور معصوم بچے اسکول میں اپنا سبق یاد کرتے ہوئے شہید کر دیے گئے۔دیکھتے ہی دیکھتے لاشوں کے انبار لگ گئے یہ سب دیکھ کر اسے نسیم صبح بھی بین کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ایسے میں ہوائیں صرف بین ہی کر سکتی ہیں اور دل ماتم کناں ہوتا ہے۔خوشیاں روٹھی ہوئی محسوس ہوتی ہیں وہ ان اندوہناک واقعات کو قلمبند کر کے مناظر کی سچی لیکن خون آلود تصویر پیش کرتی ہے۔کسی بستی میں کوئی آفت جب چپکے سے آجائے... کسی مسجد میں کوئی اسلحہ جب باندھ کر آئے...

ہوائیں بین کرتی ہیں...امام بارگاہوں میں عبادت کا سماں ہو جب... کسی خودکش دھماکے سے قیامت کا سماں ہو...جب ہوائیں بین کرتی ہیں ہو ائیں ضرور روتی اور بین کرتی ہوں گی جب انسانی درندوں نے بچوں کے اسکول میں گھس کر معصوم بچوں کے نرم ونازک جسم گولیوں سے چھلنی کیا ہوگا۔ہوائیں اس وقت بھی بین کر رہیں ہونگی جب کوئی بچہ دشمن کے خوف سے ڈر کر اپنی ماں کے آنچل کی پناہ ڈھونڈتا ہوا لاش بن کر گر گیا ہوگا۔اور مرنے سے پہلا اس بچے نے یہ بھی سوچا ہوگا کہ مرا جی چاہتا ہے ماں تری آغوش میں آؤں میں بچ کر ان درندوں سے ترے سینے سے لگ جاؤں لیکن یہ دنیا خوشی وغم کا تماشہ ہے۔یہاں کبھی جسم لہولہان ہوتے ہیں تو کبھی دل۔یہ الگ بات کہ جسم کے گھاؤ دکھائی دیتے ہیں دلوں کے روگ نظر نہیں آتے۔اور انسان تڑپ تڑپ کر جان سے دیتا ہے۔ہر شاعر کی طرح صفیہ سلطانہ کا دل محبت کے لطیف جذبوں سے آشنا ہے ۔وہ اپنی شاعری میں عورت کے نرم ونازک جذبات کا اظہار مختلف انداز سے کرتی ہے۔جس میں دوسرے کو اپنانے کی کیفیت بھی ہے اور خودسپردگی کا عالم بھی۔وہ چاہے جانے کی دولت کی اہمیت کو بھی سمجھتی ہیں اور کسی کو چاہنے کی اہمیت کو بھی۔محبت میں وصل کی تمنا، فراق کی لذت سے آشنائی، روٹھنا، ماننا اور روٹھے ہوؤں کو منانا، کبھی محبوب کے ناز اُٹھانا اور کبھی اپنی ذات کی اہمیت اجاگر کرنا۔اس کی شاعری میں محبت کے سبھی رنگ ملتے ہیں۔اس کے یہ اشعار اپنی لطافت وسلاست کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہیں۔

پہلے تو ہوتی تھی اُس سے سرسری سی گفتگو
پھر مجھے ایسا لگا کہ جاں سے پیارا ہو گیا
چاند تارے بھی مجھے حیرت سے یوں تکنے لگے
اُس نے مجھ سے جب کہا تھا میں تمہارا ہو گیا

اور''ہاں''اور''نہ'' کی کیفیت، روٹھنے اور مان جانے کی کیفیت کو یوں بیان کرتی ہے۔ہم نے سوچا تھا کریں گے عشق ہم نہ بھول کر...کیا کریں کہ عشق پھر تم سے دوبارہ ہو گیا۔

اس کو پانے کے اب سبھی جذبے...پھر مچلنے لگے ہیں آنکھوں میں

وہ درد کے ساتھ ساتھ محبت کی شاعرہ ہے جو محبتوں کو تقسیم کرنے محبتوں کو بانٹنے اور محبت کو حاصل کرنے پر یقین رکھتی ہے وہ جانتی ہے کہ کائنات کا خمیر محبت سے اُٹھا اسی لئے وہ محبت کو زندگی کا جزو لاینفک خیال کرتے ہوئے کہتی ہے۔

میں وقت کا صحرا ہوں مری پیاس بہت ہے
اب دل پہ کرو پیار کی برسات مسلسل
وہ مخاطب جب ہوا بس سرسری سی بات کی
اس کے لہجے میں کوئی بھی پیار کا طوفاں نہ تھا

محبت کی بے اعتنائی، بے رُخی، لاپرواہی، سرد مہری اور جذبوں پر جمی ہوئی برف کو دیکھتی ہے تو اس کو اپنے لفظوں کا پیرہن کچھ اس طرح عطا کرتی ہے

کس شرط پہ اس نے بھلا بازی لگائی
وہ شخص کسی ہارے جواری کی طرح ہے
ان کے جذبوں میں یہا ں برف جمی ہے یارو
وہ تو رخ موڑ کے اپنے میں مگن جاتے ہیں

محبت وہ جذبہ ہے جو دل کو اجالوں سے روشناس کراتا ہے۔محبت جس دل کو نصیب ہو جائے وہ چاند ستاروں کو چھو لیتا ہے۔اپنی مٹھی میں دنیا کی دولتیں محسوس کرتا ہے۔لیکن جو دل محبت سے خالی ہو وہ تاریک اور ویران کھنڈر جیسا ہی ہوا کرتا ہے۔انسان بے بس ہو جاتا ہے اپنے اندر ایک انجانی کمی اور کم مائیگی محسوس کرتا ہے۔تاہم صفیہ کے اندر کا توانا انسان اس کی نہ صرف ڈھارس بندھاتا ہے بلکہ اسے توانائی عطا کرتا ہے وہ اپنے اندر طاقت اور خود اعتمادی

محسوس کرتی ہے اور اسی خود اعتمادی سے خود شناسی کا سفر کرتی ہوئی بے اختیار کہتی ہے۔

محبت کے حوالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو
محبت کرنے والوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو
سفر یہ زندگی کا تیرگی میں کٹ گیا میرا
سو ان وقتی اجالوں کی ضرورت اب نہیں مجھ کو

وہ عشق کی طاقت سے آشنا ہے اور جانتی ہے کہ عشق کی آگ عاشق کی ہستی کو فنا کر کے امر کر دیتی ہے۔لیکن کن کن مراحل سے اس کا یہ سفر تہہ ہوتا ہے یہ تو عشق میں مبتلا ہونے والا دل ہی جانتا ہے۔جو کبھی وصل کی حسین لمحوں کو پل بھر میں گذرتا محسوس کرتا ہے تو کبھی جدائی کی راتوں کی طوالت سانپ بن ڈستی ہے جدائی کے لمحے عاشق کو کائینات کے درد سے آشنائی کی دولت عطا کرتا ہے۔صفیہ سلطانہ مریضِ عشق کی کیفیت کو یوں بیان کرتی ہے ۔

عشق کا مرض یوں لگا طبیب کچھ نہ کر سکے
آخر مریض چل بسا گرچہ دوا ہزار دی

صفیہ سلطانہ کا یہ مجموعہ کلام زندگی کے سبھی رنگوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔آغاز وہ حمد و نعت سے کرتی ہیں۔حمد لکھتے ہوئے اس کا قلب و ذہن اللہ تعالی کی بے حد رحمتوں اور برکتوں کے سامنے بے بس ہے۔اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظارے ہر سمت بکھرے پڑے ہیں۔بلند و بالا پہاڑ، سرسبز باغات، نیلے آسمان کے نیچے گہرے پانیوں کے سمندر اور سمندر میں آباد رنگ برنگی مخلوق خدا کی حمد میں محو، غرض اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے کہ جن کا بیان کرنا ناممکن ہے۔کائنات ذرہ ذرہ اس کی حمد و ثنا میں مصروف ہے۔اس لئے جب صفیہ نے حمد لکھنے کے لئے قلم اٹھایا تو اسے اپنی بے بسی کا احساس ہوا کہ الفاظ گنگ تھے اور زبان خاموش، وہ سوچنے لگیں کہ

کہاں تابِ قلم کر سکوں میں رقم تیری حمد و ثنا اے مرے کبریا

اور پھر خدا کے روپ میں سجی ہوئی اپنی ماں کی دعاؤں کی روشنی بھی لفظ لفظ بیان کی کہ

ماں کو اس کے سوا نہیں آتا... میرے ماتھے پہ بس دعا لکھنا
میرے ماتھے کے جگنو چمکتے رہیں... اپنی ماں کی یہی اک دعا یاد ہے

پھر غمِ دوراں، غمِ جاناں، غمِ عشق، غمِ انساں، کیفیاتِ محبت اور وارداتِ قلبی کا اظہار اس کے اس مجموعہ کلام میں ملتا ہے۔صفیہ سلطانہ کی شاعری ایک معصوم دل سے نکلی ہوئی آواز ہے ایک بازگشت ہے سنگلاخ چٹانوں سے ٹکرا کر واپس آتی اور دل کے نرم تاروں کو چھوتی ہے۔اس کا درد جب دل کی زمین پر خیمہ زن ہوتا ہے تو غزل کا روپ دھار کر اہلِ قلم، اہلِ سخن، اہلِ علم کے سامنے ''میرا درد کیسے غزل ہوا'' کی صورت ظاہر ہو کر درد کی دولت کو عام کرتا ہے۔میری دعا ہے کہ صفیہ سلطانہ ہمیشہ کی طرح ترقی کی راہوں پر گامزن رہے اور اس کا یہ مجموعہ کلام اہلِ نقد و نظر کی بصری و قلبی تسکین کا باعث ہو۔آمین۔

تاریخ کے جھروکوں سے

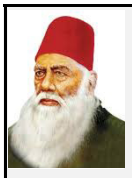

مسلمانوں کے مشہور لیڈر سرسید احمد خان صاحب لکھتے ہیں:

''ہماری گورنمنٹ کی عملداری دفعۃً ہندوستان میں نہیں آئی تھی بلکہ رفتہ رفتہ ہوئی تھی۔جس کی ابتداء 1757ء کے وقت سراج الدولہ کے پلاسی پر شکست کھانے سے شمار ہوتی ہے۔اس زمانہ سے چند روز پیشتر تک تمام رعایا اور رئیسوں کے دل ہماری گورنمنٹ کی طرف کھنچتے تھے اور ہماری گورنمنٹ اور اس کے حکامِ متعہد کے اخلاق اور اوصاف اور رحم اور استحکامِ عہود اور رعایا پروری اور امن و آسائش سن سن کر جو عملداریاں ہندو اور مسلمانوں کی ہماری گورنمنٹ کے ہمسائے میں تھیں وہ خواہش رکھتی تھیں اس بات کی کہ ہماری گورنمنٹ کے سایہ میں ہوں۔'' (مقالاتِ سرسید حصہ نہم صفحہ 54)

حضرت سید اسماعیل شہیدؒ

حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ کے دست راست اور آپ ہی کے ساتھ سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے مئی 1831ء میں جام شہادت نوش کرنے والے بزرگ حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نہ صرف انگریز حکومت کے خلاف جہاد سے منع فرماتے تھے بلکہ آپ اس قدر اس حکومت کی طرف سے دی گئی مذہبی آزادی کے قدردان تھے کہ آپ نے فرمایا:

''ان (یعنی انگریزوں۔ناقل) پر جہاد کرنا کسی طرح واجب نہیں ایک تو ان کی رعیت ہیں دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔''

(حیات طیبہ مرتبہ مرزا حیرت دہلوی صفحہ 296 بحوالہ خون کے آنسو صفحہ 32)

پانی کو عزت دو!

آصف محمود

بھارت نے پاکستان کے حصے کے پانی پر کشن گنگا ڈیم بنالیا ہے اور چند ہی دنوں میں مودی اس کا باقاعدہ افتتاح کرنے والے ہیں۔ پانی کی قلت کے بدترین بحران سے دوچار پاکستان ایک نئے عذاب سے دوچار ہونے جارہا ہے مگر زندہ اور پائندہ قوم میں کسی کو پرواہ ہی نہیں ہے۔ سیاسی قیادت روز ایک نیا تماشا لگا دیتی ہے اور میڈیا اس پر ڈگڈگی بجاتے ہوئے دن گزار دیتا ہے۔ غیر سنجیدگی اور خوفناک سطحیت کے اس ماحول میں کسی کو احساس ہی نہیں پاکستان کے ساتھ کیا ہونے جارہا ہے۔

کشن گنگا ڈیم کی تکمیل ایک انتہائی خوفناک منظر نامہ ہے۔ بھارت میں جس دریا کو کشن گنگا کہتے ہیں پاکستان میں وہ دریائے نیلم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ دریا وادی نیلم سے ہوتا ہوا مظفر آباد کے قریب دومیل کے مقام پر دریائے جہلم میں شامل ہوجاتا ہے۔ اب بھارت نے 22 کلومیٹر سرنگ بنا کر اس کا رخ موڑ دیا ہے۔ اب یہ وادی نیلم میں نہیں بہے گا۔ کشن گنا پراجیکٹ کے لیے اسے وولر جھیل کے ذریعے بارہ مولا کے مقام پر مقبوضہ کشمیر ہی میں دریائے جہلم میں ڈال دیا گیا ہے۔ یعنی اس کے قدرتی بہاؤ میں فرق ڈال دیا گیا ہے۔ اب صرف کتابوں میں ملے گا کہ وادی نیلم میں ایک دریا بھی بہتا تھا جسے دریائے نیلم کہتے تھے۔ ذرا غور کیجیے وادی نیلم سے دریائے نیلم ہی روٹھ جائے، اس کا رخ بدل دیا جائے تو یہ وادی کیا منظر پیش کرے گی؟ اس کا تو سارا حسن اجڑ جائے گا۔ ہنستی بستی وادی اجاڑ اور بیابان ہوجائے گی۔ یہ تو برباد ہوجائے گی۔ وادی نیلم میں ساڑھے چار لاکھ سے زیادہ لوگ خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ دریائے نیلم کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی چلتی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ وہ چاول وغیرہ اگاتے ہیں، ان کی چکیاں اسی کے پانی سے چلتی ہیں۔ یہ دریا ان کے لے زندگی کا پیغام ہے۔ یاد رہے کہ وادی نیلم میں مون سون کی بارشیں نہیں ہوتیں۔ اسے ''نان مون سون'' کہا جاتا ہے۔ اس وادی کا 41 ہزار ایکڑ رقبہ دریائے نیلم سے سیراب ہوتا ہے۔ جہاں سے دریا کا رخ بدلا گیا ہے وہاں سے دومیل تک 230 کلومیٹر کا علاقہ ہے۔ اڑھائی سو گاؤں پر مشتمل یہ سارا علاقہ ذرا تصور کیجیے کہ چند دنوں بعد ایک بہتے دریا سے اچانک محروم ہوجائے گا۔ بارہ سو ٹن ٹراؤٹ مچھلی سالانہ اس علاقے سے پکڑ کر

مقامی لوگ لوکل مارکیٹ میں فروخت کرتے ہیں۔ یہ بھی ختم ہوجائے گی۔ جنگلات کا مستقبل بھی ایک سوالیہ نشان ہوگا۔ یہی نہیں پاکستان کے نیلم جہلم پراجیکٹ کا مستقبل بھی مخدوش ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔ ہمارا 27 فیصد پانی کم ہوجائے گا اور اس کے نتیجے میں نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ کی پیداواری صلاحیت میں 20 فیصد کمی آجائے گی۔ اور اگر بھارت نے کسی وقت مزید شرپسندی کرنا چاہی تو معاملات مزید سنگین ہو جائیں گے۔ مکمل تباہی دستک دے رہی ہے اور کسی کو پرواہ نہیں۔ اس سارے معاملے میں ہماری حکومت نے جس بے بصیرتی، جہالت اور مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ بھارت نے اس پراجیکٹ پر کام شروع کیا تو پاکستان نے انٹرنیشنل کورٹ آف آربٹریشن سے رجوع کرلیا۔ عدالت نے پاکستان سے کہا کہ وہ پانی کے حوالے سے سارا ڈیٹا شواہد کے ساتھ عدالت کو فراہم کرے۔

پاکستان کی تیاریوں کا عالم یہ تھا کہ جب عدالت نے یہ ڈیٹا مانگا تو حکومت کے پاس عدالت کو دینے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔ خفت مٹانے کے لیے عدالت سے کہا گیا دس دنوں کی مہلت دے دیجیے ہم سب کچھ پیش کردیں گے۔ پاکستان جس وقت پانی کے اہم ترین مسئلے پر اپنی بقاء کی جنگ لڑ رہا تھا، نواز شریف اقتدار سنبھال چکے تھے اور ان کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ پاکستان کا کوئی کل وقتی وزیر خارجہ تک نہیں تھا۔ یہ اضافی ذمہ داری انہوں نے اپنے پاس رکھی۔ کیوں رکھی؟ یہ ایک الگ داستان ہے جس پر پھر کسی روز بات کریں گے۔

25 جون 2013 کو نواز شریف وزیر اعظم بنے اور اس سے 6 ماہ بعد بیس دسمبر 2013 کو عدالت نے بھارت کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ اس فیصلے کے صفحہ 34 پر عدالت نے لکھ دیا کہ ''حکومت پاکستان نے پانی کے موجودہ اور متوقع زرعی استعمال کے حوالے سے کوئی اعداد و شمار پیش نہیں کیے''۔ کوئی مہذب معاشرہ ہوتا تو اس غفلت پر حکومت کا حشر نشر ہوجاتا لیکن نیم خواندہ معاشرے میں نواز حکومت نے کمال ڈھٹائی سے دعوی فرمادیا کہ یہ فیصلہ تو ہماری کامیابی ہے۔ اب آگے سنیے۔ بھارت کو عدالت نے ڈیم بنانے کا حق دے دیا تو اس نے کھل کر کھیلنا شروع کردیا اور سندھ طاس معاہدے کی دھجیاں اڑادیں۔ نواز شریف اس سارے دور میں مودی کی ناز برداریاں فرماتے رہے

اور سجن جندال کی میزبانی فرماتے رہے۔اب جب مودی اس ڈیم کا افتتاح کرنے والا ہے تو ہمیں ہوش آیا ہے اور ہم درخواست ہاتھ میں لیے ورلڈ بنک کی منتیں کر رہے ہیں کہ سندھ طاس معاہدے کے تحت چونکہ آپ ثالث ہیں اس لیے ہماری بات تو سنیے۔ہم نے یہاں بھی وقت ضائع کر دیا۔ہماری کامیاب سفارت کاری کا عالم یہ ہے کہ ہم امید لگائے بیٹھے تھے اپریل میں ہمیں ملاقات کا وقت مل جائے گا لیکن ہمیں کہا گیا ورلڈ بنک کے صدر مصروف ہیں ابھی ان کے پاس وقت نہیں۔اب ڈیم کے افتتاح سے پہلے ورلڈ بنک کے صدر سے ملاقات کا کوئی امکان نہیں۔اور افتتاح کے بعد اس کا کوئی فائدہ نہیں۔نواز شریف اور شاہد خاقان نے غریب قوم کے خرچے پر بیرونی دوروں کے ریکارڈ قائم کر دیے لیکن حالت یہ ہے کہ ورلڈ بنک کے سربراہ کے پاس پاکستانی وفد سے ملنے کا وقت ہی نہیں۔اور بے حسی دیکھیے کہ حکومت کو کوئی پرواہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔پانی ہمارے لیے موت وحیات کا مسئلہ ہے۔لیکن ہمیں کوئی حیا نہیں آ رہی کہ اسے سنجیدگی سے لیں۔کوئی اور ملک ہوتا اور اس کے ساتھ ایسی واردات ہو رہی ہوتی تو وہ اب تک سفارتی محاذ پر ایسا طوفان کھڑا کر چکا ہوتا کہ ورلڈ بنک تو رہا ایک طرف خود اقوام عالم کو معاملے کا نوٹس لینا پڑتا لیکن ہمارے ہاں کشن گنگا کی واردات پر حکومت بول رہی ہے نہ اپوزیشن۔نیم خواندہ اور اوسط سے کم درجے کی قیادت کو شاید اس معاملے کی سنگینی کا احساس تک نہیں۔کشن گنگا پراجیکٹ سے ہمارے ایکوسسٹم کو بھی خطرہ ہے۔بھارت یو این کنونشن آن بائیولوجیکل ڈائیورسٹی، کنونشن آن کلائیمیٹ چینج اور کنونشن آن واٹر لینڈز پر دستخط کر چکا ہے۔ہماری پوری ایک وادی مکمل طور پر تباہ ہونے جا رہی ہے اور ہم نے ان کنونشنز کو کسی فورم پر ابھی تک موضوع نہیں بنایا۔کشن گنگا ڈیم سے پاکستان کو سالانہ 140 ملین ڈالر کا نقصان متوقع ہے لیکن یہ مسئلہ ہمارے قومی بیانیے میں کہیں جگہ نہیں بنا سکا۔یہاں یاروں کے مسائل ہی اور ہیں۔گندی سیاست کی شعبدہ بازی سے کوئی بلند ہو سکے تو ان مسائل پر غور کرے۔نیم خواندہ رہنما، تماش بین عوام اور ڈگڈگی بجاتی سکرینیں۔آتش فشاں پہ بیٹھ کر بغلیں بجائی جا رہی ہیں۔آج کسی کو احساس تک نہیں لیکن یاد رکھیے، وہ وقت اب زیادہ دور نہیں جب آپ ہم سب کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم پانی کے کس خوفناک بحران سے دوچار ہو چکے ہیں۔اس سماج کی غیر سنجیدگی اور کھلنڈرے پن سے اب خوف آنے لگا ہے۔پانی کا خوفناک بحران ہماری دہلیز پر دستک دے رہا ہے۔سن سکتے ہو تو سن لو۔

نظام تعلیم

ایک دن جنگل کے سارے جانور اکٹھے ہوئے تا کہ ایک سکول بنائیں۔ خرگوش، کوا، گلہری اور سانپ نصاب بنانے کے مسئول قرار پائے، خرگوش نے بھاگنے، کوے نے اڑانے اور سانپ نے تیراکی کو نصاب کا حصہ بنانے کی سفارش کی ہی، جبکہ گلہری کی ضد پر درختوں کے اوپر چڑھنا بھی نصاب میں شامل کر لیا گیا سکول کی انتظامیہ نے تمام تجاویز پر غور کیا اور منظوری دے دی کہ سارے جانور تمام مضامین کو پڑھیں جب سال کے آخر میں رزلٹ آیا تو تمام جانوروں کی پراگرس رپورٹ میں خرگوش نے دوڑنے میں 100 نمبر حاصل کیے لیکن ایک درخت سے دوسرے درخت پر اڑانے کی کوشش میں زور سے گرا اور دماغ پر سخت چوٹ لگنے کیوجہ سے بعد میں حتی دوڑنے میں بھی پاس نمبر حاصل نہ کر سکا۔پرندے نے اڑنے میں تو مکمل نمبر لیے، لیکن زمین پر دوڑنا اسکے لیے سخت امتحان تھا اور پاس نمبر بھی نہیں لے سکا، گلہری کیلئے درختوں پر چڑھنا اترنا تو بائیں ہاتھ کا کھیل تھا لیکن اڑنے میں فیل اور تیرنے میں 33 نمبر بھی نہ لے سکی، جبکہ مزے کی بات یہ ہے کہ مدرسہ کے سب مسئولین اور منتظمین اس بات پر خوش تھے کہ سارے سٹوڈنٹس سارے مضامین پڑھ تو رہے ہیں۔

ممکن ہے آپ اس تمثیل پر مسکرائیں لیکن حقیقت یہ ہے قدرت نے ھر فرد میں ایک خاص خوبی رکھی ہوتی ہے اور بہترین نظام تعلیم وہ ہوتا ہے جس میں ہر ایک فرد کو ایسی راہنمائی فراہم کی جائے کہ وہ اپنے اندر موجود گوھر کو پہنچان سکے اور پھر اس میدان میں اسکی تعمیر اور ترقی کے لئے تمام اسباب اور وسائل فراہم کیے جائیں، ہمارے جوانوں کو اول تو اپنے اندر موجود گوھر کا پتہ ہی نہیں ہوتا اور اگر پتہ بھی چل جائے تو حکومت کی طرف سے کوئی نظام ہی نہیں کہ اس گوھر کو شگوفہ کر سکے، نہ جانے کیوں لوگ ہر فن مولا بننے کی کوشش کیوں کرتے رہتے ہیں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ایک فن اختیار کریں اور اس میں فنکار بنیں، دنیا میں اپنا نام پیدا کرنے والے افراد صلاحیتوں کے اعتبار سے آپ سے زیادہ تفاوت نہیں رکھتے تھے فقط انہوں نے اپنے اندر کی صلاحیتوں کو سمجھا اور پھر پوری قوت کے ساتھ انکو استعمال کیا تھا۔اگر فرض کریں کہ علامہ اقبال شاعر اور مفکر بننے کی بجائے آرٹ، بوعلی سینا فلاسفر بننے کی بجائے شاعر، نیوٹن ایڈیسن سائنسدان کی بجائے مقرر، جابر بن حیان کیمسٹری کی بجائے مولوی، بل گیٹس بزنس کی بجائے اپنے آپ کو سپورٹس میں لا کر فٹبال کا کھلاڑی یا امام

خمینی، مولانا طارق جمیل، ابوالاعلی مودودی، طاھر القادری یا دوسرے کامیاب علماء کرام اس شعبہ کی بجائے کوئی دوسرا شعبہ زندگی انتخاب کرتے تو کیا ایک کامیاب انسان ہوتے؟ یقینا آپ کا جواب ہوگا نہ نہ نہ... اس وقت ہمارے نظام تعلیم کا مقصد فقط بہترین نمبروں کے ساتھ سند کا حصول بن چکا ہے میں سوال کرتا ہوں کہ اگر آج حکومت اعلان کردے کہ بغیر اسناد کے بھی نوکری ملے گی تو کتنے افراد علم حاصل کرنے کی کوشش کریں گے؟ شاید نہ ہونے کے برابر... کیونکہ تعلیم حاصل کرنے کا مقصد فقط نوکری بن گیا ہے، موجودہ نظام تعلیم کے مطابق صحیح فیصلہ کرنے کا معیار انگریزی بولنا ہے اس ہی کورٹ میں بیٹھا جج بہتر جبکہ معاشرے کے مسائل کو بہتر سمجھنے اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا نیک سمجھدار دیندار انسان غلط ہے، اگر علم وشعور کا معیار انگریزی جاننا ہے تو لندن میں رہنے والا ایک 12 سالہ آوارہ گرد لڑکا ہمارے وزیراعظم سے زیادہ اہل علم اور باشعور ہونا چاہیے... حقیقت یہ ہے کہ علم، فن، اور معلومات میں فرق ہوتا ہے جس نظام تعلیم کا مقصد لوگوں کو معلومات دینا اور فنون سیکھانا بن جائے جبکہ علم وشعور ثانوی حیثیت اختیار کرلیں وہاں ڈاکٹر آخری سانس لینے والے مریض اور وکیل مظلوم کے کیس کرا اس وقت تک ہاتھ نہیں لگاتے جب تک انکی فیس ادا نہیں ہوجاتی، اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے آمین۔ ***

تاریخ کے جھروکوں سے

اطاعت گزار بندے

اہل حدیث اور دیوبندی فرقہ کے چوٹی کے عالم اور بزرگ شمس العلماء مولانا نذیر احمد دہلوی فرماتے ہیں: ''سارے ہندوستان کی عافیت اسی میں ہے کہ کوئی اجنبی حاکم اس پر مسلط رہے جو نہ ہندو ہو نہ مسلمان ہو کوئی سلاطین یورپ میں سے ہو۔ (انگریز ہی نہیں جو بھی مرضی ہو یورپ کا ہو سہی۔ ناقل) مگر خدا کی بے انتہاء مہربانی اس کی مقتضی ہوئی کہ انگریز بادشاہ آئے۔'' (مجموعہ لیکچرز مولانا نذیر احمد دہلوی صفحہ 4-5 مطبوعہ 1890ء)

پھر مزید فرماتے ہیں:

''کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے تو بہ تو بہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق۔'' (مجموعہ لیکچرز مولانا نذیر احمد دہلوی صفحہ 19 مطبوعہ 1890ء)

شورکوٹ جھنگ کی پسماندہ تحصیل

پروفیسر عبدالقدیر کوکب

شہر کی تاریخ آبادی سے باہر واقع ٹیلوں میں چھپی ہوئی ہے۔ جھنگ شہر سے اٹھاون کلومیٹر جنوب میں واقع شورکوٹ ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ حضرت سلطان باہو کے والد حضرت ابوبزید محمد اور والدہ حضرت بی بی راستی صاحبہ کے مزارات اس شہر میں ہونے کی بنا پر اسے مائی باپ کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ تاریخ کھنگال کر دیکھیں تو شورکوٹ جھنگ سے بھی پرانی تاریخ رکھتا ہے۔ تاریخ دان بلال زبیری اپنی کتاب تاریخ جھنگ میں لکھتے ہیں کہ یہ شہر مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا جیسے کہ سمیرکوٹ، آشورکوٹ، ایشورکوٹ، شیوکوٹ، سورکوٹ، شورکوٹ وغیرہ۔ اُن کے مطابق یہاں موجود کھنڈرات ثابت کرتے ہیں کہ دس ہزار سال قبل مسیح میں بھی یہاں زندگی کے آثار موجود تھے۔ اس بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ تاریخ میں یہ بات درج ہے کہ یہ شہر قدیم ترین قبائل سمیریوں، بابلیوں اور آشوریوں کے تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہا ہے۔ شہر کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ فرعون سیاستریس نامی سپہ سالار نے اس کی بنیاد دس ہزار سال قبل مسیح سے بھی پہلے رکھی اور اپنے خدا کے نام سے منسوب کرتے ہوئے اسے ایشورکوٹ کا نام دے دیا لیکن اس بارے میں کوئی واضح تاریخی حوالہ نہیں ملتا۔ شورکوٹ میں داخل ہوتے ہی قدیم قلعہ بھڑ کے آثار واقع ہیں جو سمیری قبائل نے آباد کیا اور یہ قلعہ سمیریوں کے بعد کئی دیگر قدیم قبائل آریا، بھیل، دراوڑ اور آشوریوں کا مسکن رہا۔ 325 قبل مسیح میں سکندر اعظم جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو وہ کئی علاقوں سے ہوتا ہوا شورکوٹ پہنچا اس وقت یہاں کٹھیٹھ اور مل قبائل آباد تھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں سکندر اعظم دو ماہ تک اس قلعے کا محاصرہ کرنے کے باوجود اسے فتح نہ کرسکا تو غصے سے سیخ پا ہوکر اسے بھاری منجنیقوں کی مدد سے تباہ کردیا۔ (بھڑ کا مطلب تباہ ہونا ہے) سکندر اعظم کے غیض وغضب سے بچ جانے والوں نے قلعے کے شمال میں مختلف جگہوں پر اپنی الگ سے بستیاں آباد کرلیں۔ تاریخ دان یعقوبی کے مطابق محمد بن قاسم نے جب 712 میں سندھ کو فتح کیا تو اس نے سندھ سے چینوٹ تک کی مختلف ریاستوں کو پانچ صوبوں میں تقسیم کردیا۔ جن کو روڑ (روہڑی)، ملتان، برہما پور (شورکوٹ)، جندور (چنیوٹ) کوٹ کروڑ کے نام دیئے گئے۔ شور کوٹ تحصیل دو حصوں، شورکوٹ شہر اور کینٹ میں تقسیم ہے محمد بن قاسم کے دور میں پہلی بار شورکوٹ کو صوبے کا درجہ دیا گیا اور اس کا پہلا مسلمان گورنر جلال الدین محمود غازی کو مقرر کیا گیا۔ یہاں سے شورکوٹ میں مسلمانوں کے دور کا آغاز ہوا۔ محمد بن قاسم کے علاوہ یہ علاقہ عباسی اور فاطمی خلافتوں کا حصہ بھی رہا۔ بلال زبیری لکھتے ہیں کہ مغل بادشاہ شاہجہاں کے عہد میں شورکوٹ، جھنگ اور کوٹ کروڑ کو صوبہ ملتان میں شامل کر

دیا گیا۔

شاہجہاں نے ہی حضرت سلطان باہو کے والد کو ان کی تبلیغی خدمات کے صلہ میں قلعہ قہرگان کے قریب دریائے چناب کے کنارے جاگیر عطا کی جس میں شور کوٹ کا بھی کچھ حصہ شامل تھا۔ مؤرخین کے مطابق صوفی بزرگ سلطان باہو کی پیدائش بھی شورکوٹ کی سرزمین پر ہوئی جنھوں نے اپنی تصانیف میں اس علاقے کا نام قلعہ قہرگان اور شور شریف درج کیا ہے۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے راجہ رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں شورکوٹ کو ضلع جھنگ کی تحصیل بنا کر اس علاقے کی اہمیت اور مرکزی حیثیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے کچھ انتظامی تبدیلیاں کی گئیں۔ 1908 میں شورکوٹ شہر سے گیارہ کلومیٹر کے فاصلے پر ریلوے لائن بچھائی گئی جسے دو سال بعد ہی جنکشن کا درجہ دے دیا گیا۔ جس سے کراچی تا پشاور ریلوے لائن کی آمد و رفت ممکن ہوئی۔ 1965 کی جنگ کے دو سال بعد پاک فضائیہ نے شورکوٹ میں ائیر بیس قائم کیا جس کے بعد شورکوٹ کو کینٹ کا درجہ دے دیا گیا۔ فی الوقت شورکوٹ دو حصوں، شورکوٹ شہر اور شورکوٹ کینٹ میں تقسیم ہے۔ اگرچہ یہ شہر مختلف ادوار میں کئی تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے اور تاریخی اعتبار سے بھی یہ لاہور سے کہیں پرانا ہے لیکن آج جو مقام لاہور یا ملتان کو حاصل ہے وہ اسے کبھی حاصل نہیں ہو سکا۔ ***

SARALAND ESTATE

Mohammad S Rana

Managing Director

(M) 07958 198 799

saraland_estate@yahoo.co.uk

Tooting

842 Garratt Lane

Tooting London

SW17 ONA

T 020 8767 6772

F 05602 093 339

خدا گنجے کو ناخن نہ دے

اے آر خان

مملکت خداداد میں کیا کیا عجیب الخلقت لوگ یا لیڈرر ہائش پذیر ہیں۔ جو احسان فراموشی کے وصف سے بھرپور، اپنی اوقات سے بےخبر، احمقوں کی جنت کے باسی ہیں۔ کہنے کو مسلمان کہلاتے ہیں مگر اخلاق اور اُسوہ حسنہ سے یہ نابلد لوگ پاکستان کے جسم پر ایک سیاہ دھبہ ہیں۔ ذاتی انا کی خاطر یہ لوگ ایمان و قرآن بھی بدل لیتے ہیں۔ جمہوریت ان غلام اذہان کو راس نہیں آتی کل نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈر اسفند یار ولی کا بیان نظر سے گزرا کہ سپریم کورٹ کا باپ بھی اگر کالا باغ بنانے کا حکم دے گا تو میں نہیں بننے دوں گا۔ یاد رہے اس کا دادا خان عبدالغفار خان سرحدی گاندھی بھی ایسے ہی دیوانہ وار دعوے کیا کرتا تھا کہ پاکستان نہیں بننے دوں گا۔ پختونستان بناؤں گا۔ وغیرہ وغیرہ سرحدی گاندھی نام کی لاج رکھتا رہا۔ قیام پاکستان کی بھرپور مخالفت کی۔ مسلم لیگ کی مخالفت کی مگر پاکستان بن کر رہا۔ اب اس نے کالا باغ کی رٹ لگا رکھی ہے۔ انشاءاللہ دشمنانِ پاکستان اپنے ناپاک ارادوں میں یقیناً ناکام ہونگے۔ جب ساری دنیا کی مخالفت کے باوجود ہم ایٹم بم بنا سکتے ہیں تو چند سر پھرے سیاسیوں کی مخالفت ہمیں کالے باغ ڈیم سے نہیں باز رکھ سکتی۔ اسی طرح ناعاقبت اندیش علمائے دیوبند و بریلی قیام پاکستان کے خلاف گاندھی نوازی سے باز نہ آئے۔ جمیعت احرار کے غلاظ شاہ جی گالی باز نے ناخنوں تک زور لگایا۔ کہ پاکستان نہ بنے۔ مودودی صاحب نے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا، سب مدنی، جماعت اسلامی، جمیعت علمائے اسلام ہند، خاکسار، پاکستان کی دشمنی میں اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ اپنے ٹکے کے نام نہاد فتاوٰی سے پاکستان کے قیام کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہے۔ مگر جب ملک بن گیا تو بڑی ڈھٹائی سے اُسی ملک آن گھسے۔ پھر ۲۵ سال تک یہی علمائے سُو گدھ کی طرح اس ملک کے جسم پر منڈلاتے رہے۔ کسی بھی مذہبی جماعت کو عوام نے سیاست کے اندر نہ آنے دیا۔ ۱۹۵۳ میں ممتاز دولتانہ کے ساتھ مل کر ختم نبوت کی آڑ میں ناکام کوشش کی مگر منہ کی کھائی۔ آخر بذریعہ سعودیہ، ضیاع الحق، جہادِ افغانستان کی آڑ میں یہ سیاست میں آئے۔ اور جب سے سارا ملک خون میں لت پت ہے۔ گلی گلی میں شور ہے، ملاں ساڈا چور ہے۔ علمائے سُو کے تربیتی

مدرسے، درس نظامی کی جعلی اسناد کے ساتھ، اسلام کے نام پر ساری اُمت کو یزیدی اسلام پڑھا رہے ہیں۔ قتل وغارت، چوری سینہ زوری، اقتداری سیٹوں پر شب خون، مساجد، اوقاف، مدرسہ جات، زکوٰۃ وعشر پر قبضہ، جائز و ناجائز بیوروکریسی کی ملازمتوں پر اقربا پروری سے تعیناتیاں ان علمائے سُو اور دشمنانِ وطن کا قبضہ ہے۔ اسلام کو انہوں نے اپنی باندی بنا رکھا ہے اور اسلام آباد کو اکھاڑہ، دنیا میں پاکستان ان کی کمینی حرکات کی بنا پر بدنام ہو کر رہ گیا ہے۔ سارے ملک میں میرٹ کو کھڈے لائن لگا دیا گیا ہے۔ سیاسی و مذہبی پارٹیوں نے پاکستان کو خالہ جی کا باڑہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ جب بھی اس قوم کو کسی مشکل میں کوئی بہتر فیصلہ کرنے کی گھڑی آئی ہے تو غداروں نے میر جعفر اور میر صادق بن کر اس قوم کو ہمیشہ دھوکہ دیا ہے۔ ۱۹۷۱ کی جنگ میں جنرل یحییٰ خان نے ان غداروں کی مدد سے بنگلہ دیش بنا دیا۔ الشمس اور البدر جماعت اسلامی کی تنظیموں نے وہاں ظلم کے پہاڑ توڑے نفرتوں کی آندھیاں چلائیں اور اسی لئے جماعت اسلامی کے بڑے بڑے لیڈر مصلوب ہوئے۔

اس کے بعد مذہبی جماعتوں نے سعودیہ کے کندھے پر بیٹھ کر بذریعہ ضیاع الحق بھٹو کو فوج سے مصلوب کروایا بذریعہ سعودیہ شیعوں کا قتل عام کروایا، احمدیوں کو غیر مسلم قرار دلوایا، پیپلز پارٹی کو لبرل جانتے ہوئے دانستہ طور پر نواز شریف کو اسلامی مجاہد جانتے ہوئے بذریعہ آئی جے آئی اُسے کو آگے لایا گیا۔ ضیاع الحق بھی ارائیں قوم سے تھا۔ نواز شریف بھی ارائیں قوم سے ہے۔ امیر جماعت اسلامی محمد طفیل بھی ارائیں تھا، ان سب نے ساتھ ساتھ اسلام کا لبادہ اوڑھے رکھا۔ مذہبی جماعتیں ڈبل گیم میں ملوث رہیں۔ طالبان سے بھی راہ ورسم رہی اور انڈیا سے بھی۔ اسی طرح ایم کیو ایم نے بھی خوب مظلوم بن کر ظالم کا کردار ادا کیا۔ سپاہِ صحابہ کے نام پر صحابہ کے ماننے والوں کا قتل عام کیا گیا کشمیر میں دراندازی کے لئے اسی خونخوار ملاں کو استعمال کیا گیا۔ طالبان کو خود ٹریننگ دے کر اپنے ملک میں کلمہ گوؤں کی لاشیں گرائی گئیں۔ لال مسجد کو اسلحہ خانہ بنایا گیا۔ یہ سب جماعتوں کے لیڈر (ناقص عقل رکھنے والے) ملک کو سنبھالنے اور ترقی دینے میں بری طرح ناکام رہے۔ نہ ڈیم بنا سکے، نہ صحت و تعلیم دے سکے اور نہ ہی بجلی پانی۔ اسٹیل ملز، پی آئی اے، ریلوے اور سارے محکمہ جات کنگال کر دیئے۔ مادر وطن کو مقروض کر کے مال بنانے کے چکر میں اپنی اولادوں کو باہر بھیج کر کالے دھن کو سفید کرتے رہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ان کی ناکامیاں اور ان کے فراڈ ان کے منہ پر مارے جائیں۔ ان سب مفاد پرستوں کو آئینہ دکھایا جائے اور ملک کو ان چند خاندانوں کے چنگل سے چھڑایا جائے۔ کالا باغ کے علاوہ بھی جنرل ایوب خان کے بعد اب تک کتنی حکومتیں آئی ہیں کوئی بھی ڈیم نہ بنا سکی۔ پاکستان کے پاس ۳۰ دن کے پانی کے ذخائر ہیں جبکہ انڈیا کے پاس چھ ماہ کے۔ ہمیں پانی کی ضرورت نہیں ہمیں ایٹم بم اور اورنج ٹرین، میٹرو کی ضرورت ہے۔ موٹرویز کی ضرورت ہے۔ اگر چند ایک سرپھرے لیڈروں کی قربانی سے کالا باغ ڈیم بنتا ہے تو ضرور بناؤ۔ پہلے بھی تو پاکستان لاکھوں لوگوں کی قربانی سے ہی بنا ہے۔ اب تو ان سب علمائے سُو کو، اور کرپٹ سیاسی اور مذہبی لیڈروں کی قربانی کی ضرورت ہے۔ تب جا کر مملکت خداداد دنیا میں ترقی کر سکے گا۔ اتاترک بن کر اس مردِ بیمار صحت دو خدا تمہاری مدد کرے۔ آمین

***

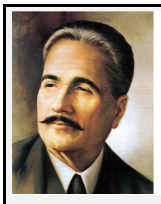

علامہ اقبال

مورخہ 22 جنوری 1901ء کو ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہوا۔ اتفاق سے اس دن عید الفطر تھی ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے ایک مرثیہ لکھا جو لاہور کے ایک ماتمی جلسہ میں پڑھا گیا۔ یہ مرثیہ مطبع خادم التعلیم میں چھپ کر شائع کیا گیا تھا۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

آئی ادھر نشاط ادھر غم بھی آ گیا
کل عید تھی تو آج محرم بھی آ گیا
صورت وہی ہے نام میں رکھا ہوا ہے کیا
دیتے ہیں نام ماہِ محرم کا ہم تجھے
کہتے ہیں آج عید ہوئی ہے ہوا کرے
اس عید سے تو موت ہی آئے خدا کرے
تو جس کی تخت گاہ تھی اے تخت گاہ دل
رخصت ہوئی جہاں سے وہ تاجدار آج
اے ہند تیرے سر سے اُٹھا سایہ خدا
اک غمگسار تیرے مکینوں کی تھی گئی
ہلتا تھا جس سے عرش یہ رونا اسی کا ہے
زینت تھی جس سے تجھ کو جنازہ اسی کا ہے

(باقیاتِ اقبال صفحہ 92-74 طبع دوم 1966ء)

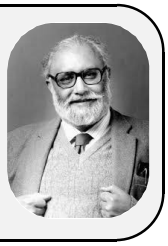

ڈاکٹر عبدالسلام
ڈاکیومنٹری کیوں نہ چل سکی!

وقار احمد ملک

2007 کا زمانہ تھا۔ میں ایک ایسے چینل میں کام کر رہا تھا جو ترقی پسند سوچ کے فروغ میں بھی دلچسپی لیتا تھا۔ میرے سینئر پروڈیوسر آغا اقرار ہارون تھے۔ ایک دن بیٹھے نہ جانے کیا دل میں آئی کہ ہم نے ڈاکٹر عبدالسلام پر دستاویزی پروگرام کا مرکزی خیال چینل کے سینئر حضرات کو پیش کیا۔ خوشی کی انتہا نہ رہی جب خیال قبول کیا گیا اور بجٹ مختص کر دیا گیا۔

تحقیق شروع کی، ڈاکٹر صاحب کے دوستوں اور خاندان کے افراد سے ملاقات کی۔ طبیعات میں ان کے کارنامے پر تحقیق ہوئی۔ ایک مہینے میں ہمارے پاس پانچ سو صفحوں کا ایک تحقیقی پلندہ اکھٹا ہو گیا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس دستاویزی پروگرام میں کس زاویے اور جہت سے ہاتھ ڈالا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کی ہر جہت کچھ اس قدر دلچسپ اور تفصیلی تھی کہ ایک قسط میں سمونا ناممکن تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے خاندان کے افراد اور دوست جب یہ سنتے تھے کہ ہم ایک دستاویزی پروگرام بنانا چاہتے ہیں تو وہ ایک طویل قہقہہ لگاتے اور کہتے۔ آپ کوشش کر کے دیکھ لیں لیکن یہ دستاویزی پروگرام چلے گا نہیں۔ ہم سمجھاتے کہ نہیں ایسا نہیں ہے ایک دفعہ چینل بجٹ مختص کر دے تو اس پروگرام نے چلنا ہی چلنا ہوتا ہے۔ میں نے اس پروگرام کا نام ''کائناتی قوتوں کا رازداں، ڈاکٹر عبدالسلام'' رکھا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہمارے لوگ ان کے کارنامے کی نوعیت سے واقف نہیں ہیں۔ اگر ایک دفعہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے کیا زبردست دریافت کی تھی اور ان کا قد بین الاقوامی برادری میں کتنا بلند اور قابل احترام تھا تو شاید لوگ ان کے قد اور کارنامے سے مرعوب ہو جائیں اور مذہبی شناخت پر ارتکاز نہ کریں۔

دستاویزی پروگرام بناتے ہوئے حیرت کے دورے پڑتے رہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کا پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام میں غیر معمولی کردار ہو یا فزکس کے بین الاقوامی مرکز کو ایبٹ آباد پاکستان میں بنائے جانے کی مہم (یہ مرکز بعد میں اٹلی میں بنا۔ جنرل ایوب کو بتایا گیا کہ ڈاکٹر عبدالسلام سائنسدان دوستوں کے لیے پاکستان میں ایک عیاشی کا اڈا کھولنا چاہتے ہیں)۔ کبھی سوچیے کہ ڈاکٹر صاحب نے کتنی لابنگ کی ہوگی اور پاکستان میں اس مرکز کو بنانے میں ان کی شخصی قد کا کتنا عمل دخل ہوگا؟ بعد میں پاکستان میں اجازت نہ ملنے پر وہ کس قدر غمزدہ ہوئے ہوں گے۔ انٹرویوز مکمل ہو گئے۔ ڈاکیومنٹری مکمل ہو گئی۔ فائنل کاپی کراچی بھجوا دی گئی۔ چینل کے پینل نے بہت احتیاط سے دستاویزی پروگرام دیکھا۔ ہم نے پورے پروگرام میں مرکزی خیال طبیعات اور ڈاکٹر صاحب کی خدمات سے نہیں ہٹے۔ لیکن دستاویزی پروگرام کے آخر میں جائے تدفین کا ذکر آیا کہ ربوہ میں دفن کیے گئے۔ جس پر چینل نے احتیاطاً لفظ ربوہ بھی نکلوا دیا۔ یہاں چینل سے ایک 'غلطی' ہو گئی۔ چینل نے اپنے اخبار میں صفحہ اول پر اشتہار لگا دیا کہ شام سات بجے ڈاکٹر عبدالسلام پر خصوصی دستاویزی پروگرام نشر کیا جائے گا۔ ہمیں پورا دن ڈاکٹر صاحب کے دوستوں اور رشتہ داروں کے فون آتے رہے۔ وہ حیران تھے اور ہم خوش۔ ساڑھے چھ بجے کراچی سے فون آیا کہ کچھ 'ناگزیر وجوہات' (دھمکیوں) کی وجہ سے پروگرام ڈراپ کر دیا گیا ہے۔ میں نے ساڑھے چھ بجے اپنا فون بند کر دیا۔ اگلے دو دن فون آن نہیں کیا۔ میرا خیال ہے کہ فون بند کرنا ایک مناسب حرکت تھی۔!

بطخ کے بچے

بطخ کے بچے جب انڈوں سے نکلتے ہیں، تو اوّل اوّل جھیل میں بطخ کے اوپر سوار اُترتے ہیں. بطخ انکو لیکر تیرتی ہے۔ چند دن بعد اچانک ایک دن بطخ اپنا بدن جھٹکتی ہے اور بچے پانی میں گر جاتے ہیں. فطرت راہنمائی کرتی ہے اور جبلت کچھ ہی دیر میں انکو تیراک بنا دیتی ہے۔ فرض کیا بطخ یہ نہ کرے تو کیا ہوگا.؟ ہر گزرتے دن بچوں کا وزن بڑھتا چلا جائے گا. اور بطخ ان کے وزن سے ہی ڈوب جائے گی۔ یہی حال ہم انسانوں کا ہے۔ ہم اپنے بچوں کو سرد و گرم سے بچاتے بچاتے فطرت کی راہ میں مزاحمت شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بھول جاتے ہیں کہ جس رب نے ہمارے لئے انکے تحفظ کی قوت و ہمت ودیعت کی، اُسی رب کے ہی یہ بندے ہیں۔ ہم انکی زندگیوں کو ریموٹ کنٹرول کی طرح پیرنٹ گائڈ کنٹرول سے باندھ دیتے ہیں۔ وقت گزرتا ہے۔ انکا بوجھ بڑھ جاتا ہے اور ہم تھک ہار کر ایک دن کوئی ایک قصہ کوئی ایک وجہ پکڑ کر انکو جھٹک کر دور کر دیتے ہیں۔ اچانک بڑا بچہ دنیا کے بازار میں تنہا اپنی ذمہ داری کیلئے کوشاں ہو جاتا ہے۔ تب اس کے پاس سب کچھ ہوتے بھی اعتماد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اعتماد لینے کے دور میں ہم نے اپنے خود ساختہ خوف کے پردوں میں انکو چھپا رکھا ہوتا ہے۔ اپنے بچوں پر اعتماد کریں۔ انکو زندگی کے بازار کو سمجھنے دیں۔ یاد رکھیں چلنا سکھانے کیلئے انگلی پکڑی جاتی ہے۔ کندھوں پر بٹھا کر رکھنے سے وہ چلنا نہیں سیکھے گا۔ ***

سائنس قادیانی ہے

عاطف توقیر

کوئی چودہ برس پہلے کی بات ہے میں اپنے ناول کے لیے مواد جمع کرنے بہت سے سائنس دانوں اور طبعیات کے پروفیسروں سے ملاقاتیں کر رہا تھا۔ مانچسٹر یونیورسٹی میں میری ملاقات وہاں ایک طبعیات کے پروفیسر سے ہوئی۔ مگر اس ملاقات کی خاص بات وہ چند ابتدائی لمحات تھے، جو ہمیشہ میرے اندر کسی بے انتہا فخر کی طرح گونجتے رہتے ہیں۔ وہ پروفیسر کہنے لگے کہ آپ نے ملاقات کو وقت لیا ہے، تو یہ بتائیے کہ آپ طبعیات کے کون سے شعبے میں تحقیق کر رہے ہیں۔ میں نے کہا میں طبعیات میں دلچسپی تو لیتا ہوں، کتب بھی پڑھتا ہوں مگر باقاعدہ طالب علم نہیں ہوں۔ کہنے لگے آپ کیا کرتے ہیں، میں نے کہا میں شاعر ہوں اور پیشے کے اعتبار سے سیاسی ابلاغیات کے شعبے میں تحقیق کرتا ہوں اور صحافت سے بھی تعلق ہے۔ کہنے لگے، تو پھر طبعیات کیوں؟ میں نے کہا کیوں کہ میرے ناول میں میرا مرکزی کردار ایک طبعیات دان ہے۔ کہنے لگے مگر سوال یہ ہے کہ آپ نے اپنے ناول میں کسی طبعیات دان ہی کو اپنا مرکزی کردار کیوں بنایا؟ اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔ وہ پروفیسر میری طرف دیکھتے رہے، پھر اچانک بولے آپ کا تعلق کس ملک سے ہے؟ میں نے کہا، پاکستان سے ہے۔ ان کے چہرے پر اچانک سکون اور مسکراہٹ پیدا ہو گئے، جیسے کوئی معمہ حل ہو گیا ہو۔

کہنے لگے، ''اوہ اچھا۔ ظاہر ہے عبدالسلام کی مٹی سے تو تم جیسے بچے ہی پیدا ہوں گے۔'' یہ جملہ سن کر میرا سر فخر سے بلند ہو گیا تھا اور میں اچانک روح کے اندر تک سرافراز محسوس کرنے لگا تھا۔ یہاں میں بہت زیادہ سائنسی بات نہیں کرنا چاہتا کہ عام افراد کو سمجھ ہی نہ آئے، مگر یہ بتانا بے حد ضروری ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے فزکس کے میدان میں واقعی کارہائے نمایاں انجام دیے اور پھر انہیں نوبل انعام دیا گیا، یا یہ سب ایک 'بین الاقوامی سازش' کا حصہ تھا؟ ڈاکٹر عبدالسلام کی جدید طبعیات میں خدمات ہر وہ شخص اچھی طرح سے جانتا ہے، جو جدید طبعیات پڑھ رہا ہو۔ ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ آپ کوانٹم مکینکس اور کاسمولوجی پڑھیں اور آپ کو کائنات کی چار بنیادی قوتوں پر کام نہ کرنا پڑے اور جوں ہی آپ کو ان قوتوں پر تحقیق کرنا پڑی، ڈاکٹر عبدالسلام اپنے ساتھی سائنس دانوں کے ساتھ (جن کے ساتھ انہوں نے مشترکہ طور پر کام کیا) اپنے گرینڈ یونیفائیڈ نظریے (الیکٹرو ویک یونیفیکیشن تھیوری) کے ساتھ کھڑے ملیں گے۔ طبعیات میں سپر سیمیٹری یعنی کائنات کی تخلیق سے متعلق اب تک کے نظریات کو ایک آہنگ میں ہونے کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب کا نظریہ کلیدی بلکہ بنیادی نوعیت کا ہے یا یوں سمجھ لیجیے کہ بگ بینگ سے قبل کائنات کی ان چاروں قوت کا یک جا ہونا اور پھر بگ بینگ کے بعد ان قوتوں کا ایک ایک کر کے ایک دوسرے سے الگ ہونا، اسی گرینڈ یونیفائیڈ نظریے کا حصہ ہے اور کائنات کی تخلیق سمجھنے کے لیے آپ کو یہ نظریہ پڑھنا ہی پڑے گا۔

پاکستان میں معاشرہ چوں کے ہر معاملے کو کھینچ کھونچ کے مذہب کی جانب لے آتا ہے اور وہاں طبعیات ہو کہ حیاتیات، سوشیالوجی ہو کہ زولوجی، نفسیات ہو کہ فلکیات کسی بھی معاملے پر چوں کہ بنیادی علم کی کمی ہے، تو ہر بات کو اٹھا کر اس میدان میں لا پٹخا جاتا ہے، جس میں تھوڑی بہت معلومات موجود ہو، تاکہ گفت گو میں مسالہ پیدا کیا جا سکے اور ایسی صورت میں مذہب کے علاوہ کوئی اچھا میدان ہمیں مل نہیں سکتا۔ گھر ہو کہ اسکول، مسجد ہو کہ نکڑ ہر مقام پر دنیا کے ہر موضوع کو پہلے مذہبی میدان میں رکھا جاتا ہے اور پھر اس پر طبع آزمائی شروع کر دی جاتی ہے، حالاں کہ مذہب انسانی اخلاقیات اور نفس کی صفائی سے عبارت ہے اور دیگر علوم خالصتاً انسان اور کائنات کے مابین تعلق اور ابلاغ سے جڑے ہیں۔ آسان سا تجربہ ہے آپ کسی بھی موضوع پر بحث چھیڑیے تیسرے یا چوتھے جملے کے بعد آپ مذہب پر بات کر رہے ہوں گے۔ عبدالسلام کے معاملے میں بھی یہی کچھ ہمیں درپیش رہا ہے۔ اس بابت کچھ غلط فہمیاں ہیں بلکہ کئی نادرست باتیں ہیں، جنہیں سمجھنا ضروری ہے۔ پہلی بات غلط فہمی اور من گھڑت بات یہ ہے کہ 1974ء میں احمدیوں کو پاکستانی پارلیمان کی جانب سے 'غیر مسلم' قرار دیے جانے پر ڈاکٹر عبدالسلام نے 'پاکستان پر لعنت بھیجتے ہوئے' اسے چھوڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ڈاکٹر

عبدالسلام کو نوبل انعام سن 1979 میں ملا۔ اس انعام سے قبل وہ پاکستانی شہریت چھوڑنے پر غور کر رہے تھے، تاہم جب انہیں معلوم ہوا کہ انہیں نوبل انعام مل سکتا ہے، تو انہیں نے غیر ملکی شہریت چھوڑنے کی بجائے پاکستانی شہریت اس لیے رکھے رکھی، تاکہ یہ نوبل انعام پاکستان کے حصے میں آئے۔ دوسری بات جو مجھے سوشل میڈیا پر ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے دکھائی دی وہ یہ تھی کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے پاکستان کے جوہری پروگرام سے متعلق خفیہ معلومات امریکا کو پہنچائیں۔ یہ بات جانے کس نے گھڑی یہ کوئی نہیں جانتا، مگر حقائق یہ ہیں کہ پاکستان میں جوہری پروگرام کو شروع کرنے والے ڈاکٹر عبدالسلام تھے۔ جوہری طبعیات میں ڈاکٹر صاحب کی نگرانی میں ہونے والی تحقیق اور ایٹومک انرجی کمیشن کا قیام اور ڈاکٹر صاحب کی خدمات پاکستان کے لیے خراج تحسین کا مطالبہ کرتی ہیں اور یہ بات باعث شرم ہے کہ ان کی ان خدمات کو فراموش کر دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ساٹھ کی دہائی میں آمر جرنیل ایوب خان کو ایک منصوبہ پیش کیا تھا کہ کس طرح پاکستان جوہری ہتھیار تیار کر سکتا ہے، تاہم وہ منصوبہ فیلڈ مارشل ایوب خان نے معاشی بنیادوں پر مسترد کر دیا تھا۔ 1971 میں بھٹو صاحب سے ملاقات کے بعد ڈاکٹر عبدالسلام امریکا گئے اور ذاتی اثر ورسوخ کی بنیاد پر امریکی جوہری پروگرام ''مین ہیٹن پروجیکٹ'' کی معلومات پاکستان لائے۔ یعنی عبدالسلام نے پاکستان کی خفیہ معلومات امریکا کو نہیں دیں بلکہ امریکا کی خفیہ معلومات پاکستان تک پہنچائیں۔ ہماری قوم کی یہ بدقسمتی رہی ہے کہ اس قوم کے لیے جس شخص نے بھی اپنی زندگی، اپنے کریئر، اپنی آسائشوں، اپنی جوانی، اپنے خواب سب کچھ قربان کیے، اسے اس قوم کی جانب سے پیار، خلوص، عقیدت یا محبت ملنے کی بجائے انتہائی گھٹیا طعنے اور دشنام ہی ملے۔ ڈاکٹر صاحب کا تعلق احمدی گھرانے سے تھا سو وہ احمدی تھے، مگر پاکستان کے لیے ان کی خدمات کسی بھی دوسرے پاکستانی سے بے حد زیادہ تھیں اور رہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے مذہبی نظریے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر ڈاکٹر صاحب کے سائنسی نظریے سے اختلاف کے لیے ان سے بہتر ریاضی سیکھنے کی کوشش کی کیجیے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر میں ڈاکٹر عبدالسلام سے کبھی ملتا، تو میرے اور ان کے درمیان بات چیت کیا ہوتی؟ کیا میں ان سے یہ پوچھتا کہ غلام احمد صاحب خدا کے نبی تھے یا نہیں؟ یا احمدیت کوئی درست نظریہ ہے یا نہیں؟ یا پیمبر آخر الزماں محمد عربی کے ساتھ نبوت کے دروازے ہر انسان پر بند ہو گئے تھے یا نہیں؟ یا میری ان سے گفت گو اس بات پر صرف ہوتی کہ کوانٹم مکینکس میں الیکٹران کے ایک ہی وقت میں کئی جگہ ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ جوہر کے اندر خالی جگہ جہاں کوئی قوت نہیں، کوئی گریوٹی نہیں، کوئی ریڈی ایشن نہیں، کوئی زمان ومکاں نہیں، وہاں توانائی کیسے پیدا اور فنا ہو رہی ہے؟ یا بلیک ہول کسی دوسرے کائنات کے لیے دروازہ کیسے بن سکتا ہے؟ یا زمان ومکان کا منجدھار کیسے ختم کیا جا سکتا ہے؟ یا کیا وقت میں سفر کرنے کے لیے ہمیں کوئی مصنوعی بلیک ہول بنانا پڑے گا؟ یا ڈارک میٹر اور ڈارک انرجی کو کس طرح جانچا جائے؟ میرے خیال میں ڈاکٹر صاحب سے میری بیٹھک ہوتی، تو ان کے مذہبی نظریات سے میرا کوئی لینا دینا نہ ہوتا، بلکہ ان کے ساتھ کی بیٹھک کے ایک ایک لمحے کو میں اپنے سائنسی تجسس اور اپنے اندر کائنات سے جڑے سوالوں کو سمجھنے میں صرف کرتا۔

ڈاکٹر عبدالسلام پاکستان کی اصل پہچان ہیں۔ وہ اس امید کا نام ہیں، جو ہمیں بتا رہی ہے کہ اس مٹی سے آئن اسٹائن پیدا ہو سکتے ہیں۔ وہ اس خیال کا نام ہیں، جو یہ بتا سکتے ہیں کہ اگر ہم اپنا تعلیمی نظام درست کریں اور باتیں کرتی کائنات کی سرگوشیاں سنیں تو شاید اس مٹی کے بیٹے اور بیٹیاں دنیا ہر ہر شعبے میں ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔ تاہم ریاست کی جانب سے بے شرمی اور ہٹ دھرمی پوری رفتار سے جاری ہے۔ اس محسن کی خدمات کو مان دینے کی بجائے، اس کے مذہبی نظریات کو بنیاد بنا کر اس کا قد ناپنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ سیاسی اور فکری بونے ڈاکٹر عبدالسلام کے خیالات کی پرواز کے عشر عشیر تک نہیں۔ پاکستان کی جامعات میں یہ درس دینے کی ضرورت ہے کہ اس ملک میں مزید ڈاکٹر عبدالسلام کیسے پیدا کیے جائیں۔ وہ ڈاکٹر عبدالسلام جن سے طلبہ ملیں تو معاملہ مذہب نہیں سائنس ہو۔ معاملہ ایمان نہیں سوال ہو۔ ایمان اور اعتقاد ہم اپنے اپنے گھروں میں سیکھ لیتے ہیں۔ سائنس دانوں سے مذہب نہیں سائنس سیکھی جاتی ہے۔ کیا ڈاکٹر صاحب سائنسی لیبارٹری میں طبعیات کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے یہ سوچتے ہوں گے کہ احمدیت درست ہے یہ نہیں؟ یہ وہ بگ بینگ سے جڑے کسی معمے کو ریاضیاتی طور پر مساوات کی صورت میں ظاہر کرنے کے لیے اس بات پر غور کرتے ہوں گے کہ ختم نبوت کیا ہوتی ہے؟ سائنس کا کوئی مذہب اور مسلک نہیں ہوتا، سائنس دان مسلمان، غیر مسلم، مسیحی، ہندو یا

احمدی ہوسکتا ہے، سائنس ہندو، مسیحی یا قادیانی نہیں ہوتی۔ سائنس سائنس ہوتی ہے۔ پاکستان میں سیاسی جماعتوں اور مشہور بیانیوں کا حال یہ ہے کہ پیپلز پارٹی کے بلاول بھٹو زرداری سائنس اور تحقیق کے لیے ایک جامعہ کے قیام کے لیے دعوت اسلامی کو ایک بڑی اراضی الاٹ کر چکے ہیں۔ دعوت اسلامی کی بہت سی ویڈیوز سوشل میڈیا پر موجود ہیں، جن میں کیلے کو رکھنے کے لیے سمت اور کھیرے کے فوائد کا میٹھا میٹھا تحقیقی حال اس قوم کو بتایا گیا ہے۔ عمران خان صاحب خیبر پختونخوا میں سائنس اور تحقیق میں خرچ کرنے، بچوں کو سائنس سے شغف دلانے کے اقدامات کرنے اور اپنے زیر حکومت صوبے میں مزید اعلیٰ تعلیم یافتہ سائنس دان اور پروفیسرز تعینات کرنے کی بجائے کروڑوں روپے مولانا سمیع الحق، جنہیں 'طالبان کا روحانی باپ' قرار دیا جاتا ہے، عنایت کر رہے ہیں۔ پنجاب میں مسلم لیگ مذہبی افراد کے ووٹ دینے اور خادم حسین رضوی کی جانب سے سلمان تاثیر کے قاتل ممتاز قادری کو سہارا بنا کر اپنی مقبولیت بڑھانے والے کے توڑ کے لیے ختم نبوت کے نعرے کے ساتھ قائد اعظم یونیورسٹی کے طبعیات کے شعبے کا نام عبدالرحمان الخزینی کر رہے ہیں۔ اور اس بابت بھی جان بوجھ کر دھوکا دینے کے لیے قائداعظم یونیورسٹی جس کے طبعیات کی تحقیق کے مرکز کا نام ڈاکٹر عبدالسلام سے منسوب ہے، اسی جامعہ کے طبعیات کے شعبے کا نیا نام رکھنے کے لیے قومی اسمبلی میں قرارداد پیش کی گئی، تاکہ یہ تاثر دیا جائے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کا نام اس جامعہ سے ختم کر دیا گیا ہے۔ مذہب ہر انسان کا ایک جذباتی اور ذاتی معاملہ ہے مگر ہمارے ہاں حکومتیں، سیاسی جماعتیں اور ادارے مذہب کا نام استعمال کر کے عوام میں مقبولیت کے لیے جس راستے کا انتخاب کر رہے ہیں، اسی راستے نے پچھلے چالیس سال میں ہمیں ملک میں نفرت، شدت پسندی، تشدد اور لاشوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ ڈاکٹر عبدالسلام، میں بہ حیثیت پاکستانی اپنی قوم کی جانب سے آپ سے بے حد شرمندہ ہوں۔ یہ بدقسمتی نہیں تو کیا ہے کہ اس ملک میں ہم اس مقام پر گر چکے ہیں کہ اب حب الوطنی کے لیے بھی آپ کے مذہب اور مسلک کو جانچا جاتا ہے اور یہ کافی نہیں ہوتا کہ آپ اس مٹی کے بیٹے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب پاکستان کی مٹی آپ پر ناز کرتی ہیں اور ہم بہ طور قوم آپ کے احسان مند ہیں کہ آپ نے دنیا کو یہ بتایا کہ سرزمینِ پاک میں علم و عقل کے ایسے باب بھی کھلتے ہیں۔

تاریخ کے جھروکے سے
اطاعت گزار بندے

جب ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے سیاسی مفادات کی حفاظت کے لئے مسلم لیگ قائم کی تو اس کے اغراض و مقاصد بھی طے کیے گئے۔ ان میں سے پہلا مقصد یہ تھا:

To promise among Indian Muslims feelings of loyalty towards the British Government, and to remove any misconseption that may arise as to the intentions of the Government with regard to any of its measures.

ترجمہ: ہندوستان کے مسلمانوں میں برٹش گورنمنٹ کی بابت وفاداری کے احساس کو بڑھانا اور گورنمنٹ کے کسی قدم کے بارے میں اگر کوئی غلط فہمی پیدا ہو تو اسے دور کرنا۔

(Indian Muslims, A Political History, 1858–1947, by Ram Gopal, Book Traders Lahore, page 102)

اہل تشیع کی رائے میں حکومت برطانیہ محسنہ اور ان کی اس حکومت کے دوام کے لیے دعائیں:

شیعہ مجتہد علی الحائری کہتے ہیں:

''پس یہ کس قدر قدر شکر کا مقام ہے کہ برطانیہ عظمیٰ ان تمام عیوب اور خود غرضیوں سے پاک ہے۔ جس کو اختلاف مذاہب سے کوئی بھی غرض نہیں ہے۔ اور جس کا قانون ہے کہ سب مذاہب آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی فرائض کو ادا کریں۔ اس لئے نیابۂ تمام شیعوں کی طرف سے برٹش سلطنت کا صمیم قلب سے میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس ایثار کا جو وہ اہل اسلام کی تربیت میں بے دریغ مرعی رکھتی ہے۔ خاص کر ہمارا فرقہ شیعہ جو تمام اسلامی سلطنتوں میں تیرہ سو برس کے ناقابل برداشت مظالم کے بعد آج اس انصاف پسند عادل سلطنت کے زیر حکومت اپنے تمام مذہبی فرائض اور مراسم تولا و تبرا کو بپابندی قانون اپنے اپنے محل وقوع میں ادا کرتے ہیں۔ اور خلاف قانون کوئی غیر رو کاوٹ کا باعث نہیں ہوسکتا۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ ہر شیعہ کو اس احسان کے عوض میں (جو آزادی مذہبی کی صورت میں انہیں حاصل ہے) صمیم قلب سے برٹش حکومت کا رہین احسان اور شکر گزار رہنا چاہئے۔ اور اس کے لئے شرع بھی اس کو مانع نہیں ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام نے نوشیرواں عادل کے عہد سلطنت میں ہونے کا ذکر مدح اور فخر کے رنگ میں بیان فرمایا ہے۔''

(موعظہ تحریف قرآن۔ مرتبہ سید محمد رضی الرضوی اپریل ۱۹۲۳ء شائع کردہ شیعہ ینگ مین سوسائٹی خواجگان نارووالی لاہور۔ ص 68)

عجیب الخلقت لوگ

مولانا مفتی محمود کو اللہ نے پانچ صاحبزادوں سے نوازا، سب سے پہلے تو ان کے عہدے دیکھ لیں: مولانا فضل الرحمان، 6 مرتبہ ایم این اے، تیسری مرتبہ کشمیر کمیٹی کا چیئرمین، مراعات وفاقی وزیر کے برابر، ایک بھائی مولانا عطا الرحمان آج کل سینیٹر ہے۔، دوسرا بھائی مولانا لطف الرحمان خیبر پختون خواہ اسمبلی کا اپوزیشن لیڈر ہے، مراعات وزیر اعلی کے برابر۔، تیسرا بھائی مولانا ضیا الرحمان 2007 میں وزیر اعلی اکرم درانی کے ذریعے غیر قانونی ڈیپوٹیشن کے ذریعے افغان مہاجرین کا ایڈیشنل سیکرٹری مقرر ہوا۔ پچھلے سال پانامہ لیکس میں فضل الرحمان نے نواز شریف کے حق میں بیان دیا تو نواز شریف نے ضیا الرحمان کو کمشنر افغان مہاجرین کے عہدے پر ترقی دے دی۔ مراعات اور اوپر کی آمدنی کے لحاظ سے یہ گریڈ 20 کے 30 افسروں کی آمدن سے بھی زیادہ پرکشش عہدہ ہے۔، چوتھا بھائی مولانا عبید الرحمان ضلع کونسل ڈیرہ اسماعیل خان میں اپوزیشن لیڈر ہے۔، لوگوں کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں تو وہ خوش نصیب کہلاتے ہیں، مفتی محمود کے یہ پانچوں فرزند پورے کے پورے گھی میں ہیں، ان کی خوش نصیبی کے کیا کہنے۔ اس سے پہلے میڈیا میں خبر آ چکی ہے کہ فضل الرحمان کے ایک بھائی کو پی آئی اے میں ایک نیا شعبہ اسلامی تخلیق کر کے اہم عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ مولانا صاحب کو بطور انسٹرکٹر پی آئی اے مسجد کے امام اور مؤذن کی ٹریننگ کرنا تھی لیکن موصوف ظہر کی چار فرض رکعات پڑھ کر ہی مسجد سے بھاگ جاتے۔ پھر یہ چھٹیاں لے کر، پی آئی اے کی بزنس کلاس کی مفت کی ٹکٹ پر امریکہ گئے، وہاں خود ہی اپنے آپ کو پی آئی اے کی طرف سے امریکہ میں پورا رمضان تراویح پڑھانے کی ڈیوٹی تفویض کر دی اور 6 ہفتے امریکہ گزارنے کے بعد واپس آئے تو لاکھوں روپے ٹی اے ڈی اے کی مد میں چارج کر لئے۔ پھر ایک دن اپنے ہی شعبہ اسلامی میں رکھا قیمتی سامان، فرنیچر، کمپیوٹر، ٹی وی وغیرہ اپنے گھر پہنچا کر کہہ دیا کہ چوری ہو گئی۔ مولانا نے پی آئی اے میں ترقی پا کر اگلے گریڈ میں جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس مقصد کیلئے ان کیلئے علیحدہ سے ایک آسان سا اسلامی امتحان رکھا گیا جس میں مولانا بمشکل 50 نمبر ہی لے پائے اور بعد میں سارا الزام ممتحن پر ڈال دیا کہ اس نے آؤٹ آف سلیبس پرچہ لیا۔ پتہ نہیں مفتی محمود مرحوم کو کس کی نظر لگ گئی، اللہ نے پانچ صاحبزادے دیئے، پانچوں کے پانچوں حرامخور، کرپٹ اور حکمرانوں کے دربار کے باہر بیٹھے کنجروں سے بدتر۔ ظلمت کو ضیاء، صرصر کو صبا، بندے کو خدا کیا لکھنا....

پاکستان پیاسا رہ جائے گا

شفیع الرحمان

مودی سرکار نے سندھ طاس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مقبوضہ کشمیر میں کشن گنگا ڈیم پراجیکٹ کا افتتاح کر دیا۔ انڈیا نے تمام اخلاقی اقدار کو نظر انداز کرتے ہوئے پاکستان کو بنجر کرنے کے اقدامات شروع کر دیئے ہیں۔ ہمارے حکمران کرسی کی ہوس میں ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کا کھیل اس بے دردی سے کھیل رہے ہیں کہ اُن کے لئے پاکستانی قوم بھلے پیاس سے بلک بلک کر مر جائے اُن کے لئے تمام مینرل واٹر کمپنیاں پانی فراہم کرنے کو تیار ہیں۔ جناب یہ بوتل میں بھرا ہوا عوام کا وہ خون ہے جو آپ کی خود پسندی کی وجہ سے سفید ہو چکا ہے۔ پاکستان کی ناعاقبت اندیش حکومتوں نے پانی ذخیرہ کرنے کا کوئی قابل ذکر منصوبہ شروع نہیں تیار کیا۔ بنا بنایا کالا باغ ڈیم جو کہ قدرت نے ہمیں تحفے میں دیا ہے اپنی تکمیل کے خواب لئے وقت گزاری کر رہا ہے۔ دشمن نے چند نام نہاد سیاسی راہنماؤں کو چند ٹکوں میں خرید کر ایسا ماحول پیدا کیا کہ اس خالصتاً تکنیکی منصوبے کو لسانی اور جغرافیائی بنیادوں پر مشکوک بنا دیا گیا۔ کوئی ناعاقبت اندیش بولا کہ سندھ کے پانی سے بجلی پیدا ہو گی تو اس کی طاقت کم ہو جائیگی اور فصلیں اچھی نہیں ہوں گی۔ ایسے راہنما بھی تھے جو کہتے تھے کہ نوشہرہ اور چارسدہ ڈوب جائیں گے، کسی نے کہا کہ پنجاب سارا پانی سمیٹ لے گا۔ اللہ نے شاید اس قوم کو سمجھانے کے لئے 2010ء میں ایک عظیم پانی کا عطیہ فراہم کیا مگر ہماری جہالت نے اس کو سیلاب میں بدل دیا اور قدرتی آفت قرار دے دیا گیا۔ نوشہرہ ڈوب گیا، چارسدہ تباہ ہوا کالا باغ ڈیم سے پانی بے دردی سے ضائع ہوتا ہوا پنجاب کو ڈبو کر رکھ گیا۔ سندھ سے بھی پانی نے خوب بدلے لئے ایک کروڑ کیوسک میٹھا پانی سمندر میں بہہ کر ضائع ہو گیا۔ اِس پانی سے پاکستان کے صحرا پانچ برس تک لہلہاتی فصلیں اُگا سکتے تھے۔ تیس ارب ڈالر کا فائدہ ہو سکتا تھا مگر اربوں ڈالر کے نقصان کے ساتھ ایک کروڑ پاکستانیوں کو بے گھر کر کے یہ پانی ضائع ہو گیا۔ مجھے یاد ہے کہ جب سیلاب میں لوگ اپنے معذور بچوں کو چھوڑ کر اپنی جانیں بچانے کے لئے محفوظ مقام پر پہنچے تھے۔ تو ہم مائیل سٹون کے معذور افراد کشتیوں میں بیٹھ کر معذور بہن بھائیوں کو نکالنے گئے تھے۔ ہم صرف

900 لوگوں کو ہی بچا سکے تھے۔ان کی خوراک اور وہیل چیئر فراہم کرتے ہوئے اُن کے حالات سن کر دل خون کے آنسو روتا تھا۔کس طرح سیلاب کا پانی آنے سے پہلے کیڑے مکوڑے چارپائیوں پر چڑھ کر اُن کے جسم کو کاٹتے تھے۔انتہائی دردناک قصہ ہے جو بیان سے باہر ہے۔ہمارے حکمران تب بھی تصویریں اُتروا کر مسیحا بننے میں مصروف تھے۔پاک فوج کے جوانوں نے دن رات اپنی جان پر کھیل کر پاکستانیوں کو بچایا تھا۔پاکستان میں آزاد سرزمین پر ہم کالا باغ ڈیم نہیں بنا سکتے۔کس منہ سے ہم مقبوضہ کشمیر میں ڈیم کی تعمیر روک سکتے ہیں۔خدا کے لئے اپنی آنے والی نسلوں کو پیاس سے مرنے سے بچائیں۔اپنے ملک میں پانی کے ذخیرے بنائیں۔جن لوگوں نے کبھی زندگی میں جنریٹر نہیں بنایا وہ کالا باغ ڈیم کی مخالفت کرتے نظر آتے ہیں۔اُن کی زبانیں اب کیوں گونگی ہیں۔جب مودی پاکستان کے پانیوں پر ڈیم بنا رہا ہے۔اس سے زیادہ غدار کی پہچان اور کیا ہو سکتی ہے۔

امجد مرزا کے ساتھ چند قہقہے

دال کی تاریخ

ایک شخص کسی کے ہاں مہمان گیا، وہاں پر ہر روز دال ہی کھانے کو ملتی۔وہ بے چارہ دال کھا کھا کر تنگ آ گیا ایک دن میزبان نے کھانے پر پوچھا کہ آج چاند کی کون سی تاریخ ہے۔تو مہمان نے جل کر جواب دیا۔''چاند کی تاریخ کا تو علم نہیں البتہ دال کی آج بیس تاریخ ہے۔''

انڈہ- ایک بچے سے اس کی کلاس ٹیچر نے کہا۔

''تم منہ دھو کر کیوں نہیں آتے میں بتا سکتی ہوں کہ تم نے آج ناشتے میں انڈا کھایا ہے۔'' بچے نے مچل کر کہا۔''غلط...انڈا تو میں نے کل کھایا تھا۔''

پڑیاں- ڈاکٹر نے مریض سے کہا۔''میں آپ کو چار پڑیاں دے رہا ہوں ہر روز نیم گرم پانی کے ساتھ لینا۔'' مریض نے عاجزی سے کہا۔''ڈاکٹر صاحب! اس بار پڑیاں ذرا باریک کاغذ کی بنا کر دیں پچھلی بار نگلنے میں بڑی تکلیف ہوئی تھی۔''

کھانا- نئی نویلی دلہن نے اپنے شوہر سے کہا۔''اگر میں باورچی کو ہٹا کر ایک مہینہ آپ کے لئے خود کھانا پکاؤں تو کیا مجھے کچھ رقم ملے گی۔'' ''تنخواہ تو نہیں۔'' خاوند نے مسکرا کر کہا۔'' البتہ میرے بیمے کی رقم ضرور مل جائے گی۔''

رشوت

سوال۔''کیا آپ رشوت ختم کرنے کا کوئی حل بتا سکتے ہیں؟''

جواب۔''ہاں کیوں نہیں! لیکن اس کا نذرانہ؟''

وکیل۔ ایک مرتبہ جنت اور دوزخ والوں کے درمیان لڑائی ہو گئی تو جنت والوں کا بہت نقصان ہوا۔انہوں نے دوزخ والوں کو دھمکی دی کہ ہم تمہارے خلاف خدا کے دربار میں مقدمہ دائر کریں گے۔تو دوزخ والوں نے سینہ ٹھونک کر کہا۔''ارے جاؤ جاؤ بے شک کرو، مقدمہ ہم ہی جیتیں گے کیونکہ سارے وکیل تو ہمارے پاس ہیں۔''

سلوک

نوکر۔''میں اب آپ کے ہاں نوکری نہیں کر سکتا۔'' مالک۔''کیوں؟ تمہیں کیا مجبوری ہے۔'' نوکر۔''جناب کیا کہوں۔بیگم صاحبہ مجھ سے ایسا برا سلوک کرتی ہیں جیسے میں ان کا نوکر نہیں شوہر ہوں۔۔!!''

آئینہ- ایک خاتون کار چلانا سیکھ رہی تھی اپنے شوہر سے بولی۔'' شاید یہ سامنے لگا ہوا آئینہ ٹھیک طرح سے نہیں لگا ہوا ہے۔'' شوہر نے پوچھا وہ کیسے۔تو بیوی بولی۔''اسپر مجھے پیچھے آنے والی گاڑیاں تو نظر آ رہی ہیں مگر مجھے اپنا چہرہ نہیں نظر آتا...!''

موسپل- Mospel

مچھر نے مکھی سے زبردستی شادی کر لی۔رات کو مچھر کمرے سے باہر گھوم رہا تھا۔اس کے دوست نے پوچھا، باہر گھوم رہے ہو بھابھی کدھر ہے؟ مچھر غصے سے بولا اندر بیٹھی ہے۔Mospel لگا کر۔ ***

مولانا ظفر علی خان لکھتے ہیں:

''مسلمان...ایک لمحہ کے لیے بھی ایسی حکومت سے بدظن ہونے کا خیال نہیں کر سکتے...اگر کوئی بدبخت مسلمان، گورنمنٹ سے سرکشی کرے تو ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں کہ وہ مسلمان مسلمان نہیں۔''

(اخبار زمیندار لاہور 11 نومبر 1911ء)

افسانہ:

وراثت - امجد مرزا امجد

گلاسکو کی شاہین کو اس بات کا دُکھ نہ تھا کہ اسکا مرحوم باپ پچیس سال کونسل کے مکان میں رہا جو کماتا آدھا بیوی بچوں پر خرچ کرتا اور باقی جو بچتا پاکستان اپنی بڑی بہن کو بھیج دیتا۔ شاہین کی ماں سیدھی سادھی مشرقی عورت تھی جو خاوند کی ہر جائز ناجائز بات کو پتھر کی لکیر اور اپنی قسمت کا لکھا ہوا سمجھتی مگر جب شاہین جوان ہوئی اور گھر کے حالات سمجھنے لگی تو مداخلت کیے بغیر نہ رہ سکی۔ ''ابو آپ اتنی رقم ہر دوسرے تیسرے ماہ پھپھو کو کیوں بھیج دیتے ہیں؟'' اس لیے بیٹے کہ اوّل تو وہ میری ماں جیسی بہن ہے' ماں باپ کے مرنے کے بعد اسی نے مجھے پالا پوسا پڑھایا لکھایا اور زیور بیچ کر انگلینڈ بھیجا اور... بیٹی ابو کی بات کاٹ کر بولی'' مگر ابو اب تو اسکی اولاد جوان ہے' دو بیٹے تین بیٹیاں' سب اچھی جابز پر ہیں اور کما کر لازمی ماں کی ہتھیلی پر ہی رکھتے ہونگے''۔ ''یہ درست ہے وہ سب خوب کماتے ہیں مگر یہ مت بھولو کہ میری بہن نے میری اس رقم سے میرے نام فیصل آباد میں بہت بڑا پلاٹ خریدا تھا اور اِس پر تعمیر بھی شروع کرائی۔ بہت عالیشان کوٹھی بنوا رہی ہے جو کل تمہارے ہی کام آئے گی''۔ اور پھر پانچ سال کا مزید عرصہ گذر گیا کوٹھی مکمل ہوگئی اور کرایہ پر بھی لگ گئی' بہن نے بھائی کی رقم کا حق ادا کیا اور کوٹھی کی ملکیت کے تمام کاغذات تک بھیج دیئے اور اللہ کو پیاری ہوگئی۔ سال بعد شاہین کا والد بھی دل کا دورہ پڑنے سے اپنی بہن سے جاملا۔ شاہین نے ٹیچنگ کا شعبہ اپنایا اور ماں بیٹی نے سوچا اب پاکستان جا کر رہنے کا تو سوال ہی نہیں ہوتا' یہ سب خواہشات اسکے ابو کی تھیں کہ پیٹ کاٹ کاٹ کر اور ایک ایک پینی جوڑ کر وطن بھیجتے رہے اور وہاں جائداد بناتے رہے کہ کبھی جا کر آرام سے رہیں گے۔ مگر یہ حسرت آج تک کبھی کسی تارکین وطن کی پوری نہ ہوئی اور ان کے مال پر پیچھے والے عیش کرتے رہے۔ شاہین نے اپنے کزنز کو لکھا کہ ابو کی کوٹھی فروخت کر دیں تا کہ ہم یہاں اپنا ذاتی مکان خرید سکیں مگر وہاں سے کسی نے بھی جواب دینے کی زحمت نہ کی اور پھر ماں کے لاکھ منع کرنے پر شاہین پاکستان روانہ ہوگئی۔ فیصل آباد پہنچ کر وہ ایک ہوٹل میں رہی۔ دوسرے دن وہ اپنے پھوپھی زادوں سے ملی تو پتہ چلا کہ اسکے ابو کی کوٹھی کرایہ پر نہ تھی بلکہ شروع سے ہی دونوں بڑے بھائیوں کی رہائش اس میں تھی۔ شاہین نے گلہ کیا کہ تم لوگوں نے جھوٹ بولا کہ سات سال سے کرایہ ابو کے اکاؤنٹ میں جمع ہو رہا ہے جبکہ ایسا نہیں ہوا لہذا تم لوگ اب یہ کوٹھی خالی کرو۔ یہ میری وراثت ہے۔ کمزور سی ہلکے سے جسم والی انگلینڈ سے گئی ہوئی گڑیا سی لڑکی کو دونوں پھوپھو زادوں نے پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیا کہ جاؤ جو کرنا ہے کر لو مگر چوتھے دن عجب تماشہ لوگوں نے دیکھا۔ صبح صبح سارے فیصل آباد کی پولیس نے کوٹھی کو گھیر لیا درجنوں گاڑیاں پولیس سے بھری آ گئیں۔ پولیس کے افسران ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ دونوں مردوں کو باہر نکالا گیا' ان سے مکان کے قبضہ کا ثبوت مانگا گیا جو انکے پاس نہ تھا۔ انہیں چار گھنٹے کی مہلت دی گئی کہ کوٹھی خالی کرو ورنہ سارا سامان سڑک پر پھینک دیا جائے گا۔ وہ ششدر رہ گئے کہ اچانک کیا آفت آن پڑی ہے۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے بتایا کہ ڈپٹی کمشنر کا حکم ہے' بارہ بجے کوٹھی خالی کر کے چابیاں میرے دفتر حاضر کی جائیں۔ بس پھر کیا تھا چار ٹرک لائے گئے' پولیس کی رائفلیں تنی رہیں کوٹھی کے مکینوں نے چار گھنٹے میں سارا سامان ٹرکوں میں لاد کر چابیاں ڈی۔ ایس۔ پی کے حوالے کیں۔ سامان سے لدے ہوئے ٹرکوں کو روک دیا گیا اور دونوں بھائیوں کو حکم دیا گیا کہ تم لوگ سات سال اس کوٹھی پر غیر قانونی قابض رہے جبکہ مالک کو یہ بتایا گیا کہ کوٹھی دس ہزار روپیہ ماہوار کرایہ پر چڑھی ہوئی ہے لہذا سات سال کا کرایہ آٹھ لاکھ چالیس ہزار روپیہ ادا کریں اور اپنا سامان لے جائیں۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی' جس گوری چٹی پتنگ سی لڑکی کو وہ خاطر میں لائے وہ آفت کی پرکالا نکلی۔ سبز مرچ بن کر ان کا منہ جلا گئی' دونوں بھائی ڈھونڈتے ہوئے ہوٹل جا پہنچے اور اس کے پاؤں پڑ گئے کہ معاف کر دو ہم اتنی جلدی اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتے۔'' کیوں بھائی جان میرے مزدور فیکٹری ورکر باپ کے خون پسینے کی کمائی پچیس سال تک کھا سکتے ہو۔ اور اس کا حق بھی مارنے سے باز نہ رہے' اب اتنی معمولی سی رقم دینے میں تکلیف ہو رہی ہے' میں تمہارے ماموں کی بیٹی تھی۔ حق تو یہ بنتا تھا کہ مجھے ہوٹل سے لا کر اپنے گھر مہمان رکھتے مگر آپ نے میرے باپ کے گھر سے پکڑ کر باہر نکال دیا' ایسے خودغرض اور ابن الوقت لوگوں سے میرا کوئی رشتہ نہیں' رقم لائیں اور اپنا سامان لے جائیں' ورنہ آپ بھی حوالات کی سیر کر رہے ہونگے۔'' اور پھر شاہین اپنے باپ کی کوٹھی فروخت کر کے اور سات سال کا کرایہ وصول کر کے واپس آئی اور گلاسکو کے خوبصورت علاقہ میں مکان خریدا۔'' شاہین تم نے ایک اجنبی

ملک میں جا کر تن تنہا اتنا بڑا کام کیسے کر لیا؟'' ''امّی' آسان سی بات تھی میں سب سے پہلے اسلام آباد گئی اور برٹش ایمبیسی جا کر ایمبیسڈر سے ملی اور ساری بات بتا کر اس کی مدد مانگی' اس نے اسی وقت فیصل آباد کے ڈپٹی کمشنر کو فون کیا اور اسے کیس بتایا اور حکم دیا کہ شاہین کی مدد کی جائے۔ اسکے علاوہ اس نے تحریری طور پر محکمانہ کاروائی مکمل کی' بس پھر کیا تھا' ڈپٹی کمشنر نے ایس۔ پی کو حکم دیا' اس نے اپنے ڈپٹی کو حکم دیا چار گھنٹے میں کوٹھی خالی کروا کر چابیاں حاضر کی جائیں اور ساڑھے بارہ بجے جب ڈپٹی کمشنر کے دفتر گئی تو کوٹھی کی چابیاں میرا انتظار کر رہی تھیں اور دوسرے دن سات سال کا کرایہ مل گیا۔'' ماں نے افسردگی سے کہا'' بیٹے یہ سب کچھ اچھا نہیں ہوا' تمہارے باپ کی روح کو بہت تکلیف پہنچی ہوگی' آخر وہ رشتے میں تمہارے بھائی تھے'' شاہین ہنس پڑی'' امّی روحوں کو تکلیف نہیں ہوتی' جسموں کو تکلیف محسوس ہوتی ہے' پچیس سال میرے باپ کا جسم مشقت کی تکلیف برداشت کرتا رہا اور ہم کو نسل کے فلیٹ میں کرایہ پر رہے اور میرے باپ کی زندگی بھر کی کمائی کی بنی ہوئی کوٹھی میں وہ بھائی رہے جنہوں نے اپنی بہن کو جو زندگی میں پہلی بار وہاں گئی پکڑ کر گھر سے باہر نکال دیا معاف کرنا یہ جذباتی قربانیاں آپ کی نسل دیتی رہی' ہم نہیں دے سکتے۔ یقین کریں امّی! ابو کی اس کوٹھی کے بدلے آج ہمیں اپنا خوبصورت مکان نصیب ہوا' ابو کی روح کو بہت سکون ملا ہوگا!'' ***

اندازہ

1- جو سب سے ذہین ہوتے ہیں وہ انجینئرز، کمپیوٹر سائنٹسٹ، ڈاکٹرز اور سائنس دان بن جاتے ہیں۔

2- جو دوسرے نمبر پہ ہوتے ہیں وہ مقابلے کے امتحان میں پاس ہو کے پہلے والوں پر حکومت کرتے ہیں۔

3- جو پہلے دونہیں بن پاتے بمشکل سکول کالج پاس کر کے سیاست میں آجاتے ہیں اور پہلے دو پر حکومت کرتے ہیں۔

4- جو پرائمری یا مڈل میں drop out ہوتے ہیں وہ مافیا، غنڈے، ڈان اور دہشت کی علامت بن کر پہلے تین پر حکومت کرتے ہیں۔

5- جو مکمل ناکام ہوتے ہیں ہر فیلڈ میں مذہب کا سہارا لے کر پیر، فقیر، صوفی، ملا بن کر پہلے چاروں پر حکومت کرتے ہیں۔ انکے مریدوں میں ڈاکٹرز، سیاست دان اور مافیا کے لوگ ہوتے ہیں۔

تحریر جاوید چوہدری

ڈاکٹر عبدالسلام ساہیوال کے گاؤں سنتوک داس میں پیدا ہوئے، ٹاٹ اسکول میں پڑھے، وظیفے لے کر گورنمنٹ کالج جھنگ اور گورنمنٹ کالج لاہور تک پہنچے، امتحانات میں پہلی پوزیشن حاصل کی، حکومت نے اسکالرشپ دیا اور وہ کیمبرج یونیورسٹی پہنچ گئے، کیمبرج یونیورسٹی سے ریاضی اور فزکس میں ایم ایس سی کی، نظری طبیعات میں پی ایچ ڈی کی، کیمبرج یونیورسٹی نے دورانِ تعلیم یونیورسٹی کا سب سے بڑا اعزاز ''اسمتھ پرائز'' دیا اور یہ طالب علم کی حیثیت ہی میں سینٹ کالج، کیمبرج یونیورسٹی اور پرنسٹن یونیورسٹی کے فیلو منتخب ہو گئے۔ پوری دنیا ان کے لئے کھلی تھی لیکن وہ پاکستان کی محبت میں گرفتار تھے، وہ سمجھتے تھے نوزائیدہ ملک کو ان کی ضرورت ہے۔

چنانچہ وہ 1951ء میں لاہور واپس آ گئے، گورنمنٹ کالج میں استاد بھرتی ہو گئے، اگلے سال پنجاب یونیورسٹی سے بھی وابستہ ہو گئے، وہ پڑھانے کے ساتھ ساتھ کچھ کرنا چاہتے تھے، گورنمنٹ کالج کی انتظامیہ سے درخواست کی، کالج کے پاس فنڈز موجود ہیں، آپ مجھے چھوٹی سی لیبارٹری بنا دیں، میں اور میرے طالب علم کمال کر دیں گے، انتظامیہ کو یہ مطالبہ توہین محسوس ہوا چنانچہ انہیں شروع میں ہاسٹل کا وارڈن بنا دیا گیا، ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ درخواست کی تو انہیں فٹ بال ٹیم کا کوچ بنا دیا گیا، کالج اور یونیورسٹی میں ان کے خیالات کا مذاق بھی اُڑایا جاتا تھا، یہ تنگ آ گئے چنانچہ یہ 1954ء میں لندن چلے گئے، امپیریل کالج لندن نے انہیں ریاضی کے شعبے کا سربراہ بنا دیا، یہ 1957ء میں فزکس کے پروفیسر بنا دیئے گئے، یہ جدید دنیا میں اعلیٰ ترین علمی عہدہ ہوتا ہے لیکن ان کا دل پاکستان میں اٹکا رہا، یہ ہر حکومت سے رابطہ کرتے اور اسے سائنس کی تعلیم اور سائنسی ادارے قائم کرنے پر اُبھارتے، یہ پاکستان کے ایٹمی توانائی کمیشن کے رکن بھی رہے۔ صدر ایوب کے دور میں تعلیمی کمیشن اور سائنسی کمیشن کے رُکن بھی بنے، یہ 1961ء سے 1974ء تک صدر کے سائنسی مشیر بھی رہے، اسپارکو کی بنیاد بھی انہوں نے رکھی اور یہ نیشنل سائنس کونسل اور پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کے بورڈ آف گورنر کے ممبر بھی رہے، یہ ملک کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے تھے مگر ان کا ٹیلنٹ اور ان کا عقیدہ ہر بار رکاوٹ بن جاتا تھا۔ یہ بونوں کا ملک ہے اور بلند قامتی بونوں کے معاشروں میں جرم ہوتی ہے، ڈاکٹر عبدالسلام کو اللہ تعالیٰ نے بلند قامت بنایا تھا، وہ برین آف پاکستان تھے چنانچہ ملک میں ان کی گنجائش نہیں تھی، ڈاکٹر صاحب نے 1964ء میں حکومت کو پاکستان میں نظری طبیعات کا انٹرنیشنل سینٹر بنانے کی تجویز دی، ایوب خان ان دنوں محترمہ فاطمہ جناح کو الیکشن میں ہرانے جیسے تعمیری کام میں مصروف تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تجویز ایوان صدر کے اسٹور میں پھینک دی گئی، اٹلی

کو اس تجویز کی بھنک پڑ گئی، اطالوی حکومت نے ڈاکٹر عبدالسلام سے رابطہ کیا اور اربوں ڈالر خرچ کر کے ٹیسٹ شہر میں ''انٹرنیشنل سینٹر فار تھیوریٹیکل فزکس'' قائم کر دیا، یہ سینٹر آج بھی ڈاکٹر عبدالسلام کے نام سے منسوب ہے۔

یہ اب تک ہزاروں سائنسدان پیدا کر چکا ہے، ڈاکٹر صاحب نے 1974ء میں لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس میں ''اسلامک سائنس فاؤنڈیشن'' کی تجویز پیش کی، یہ تجویز پسند کی گئی لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا، ڈاکٹر صاحب کو 1979ء میں فزکس کا نوبل انعام دیا گیا، یہ پاکستان کا پہلا نوبل انعام تھا، ہمارے لئے اعزاز کی تھی لیکن ڈاکٹر صاحب کا عقیدہ اس اعزاز کے راستے میں بھی رکاوٹ بن گیا، ملک میں اس نوبل انعام کو اسلام کے خلاف یہودی، امریکی اور روسی سازش قرار دے دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب اس سلوک پر کسی قدر دل گرفتہ تھے، آپ اس سلسلے میں ڈاکٹر جاوید اقبال کا ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے۔ فرزند اقبال ڈاکٹر صاحب سے ملنے ٹریسٹ گئے، سیکریٹری نے جوں ہی ڈاکٹر صاحب کو بتایا ''آپ سے کوئی صاحب پاکستان سے ملنے آئے ہیں'' ڈاکٹر عبدالسلام دیوانہ وار باہر نکلے، شاعر مشرق کے صاحبزادے کو گلے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، وہ بار بار کہتے تھے ''مجھ سے پوری دنیا ملنے آتی ہے لیکن پاکستان سے کوئی نہیں آتا'' میرا جرم کیا ہے؟ میری غلطی کیا ہے؟ یہ سن کر جاوید اقبال کے آنسو بھی نکل آئے، ڈاکٹر صاحب کو نوبل انعام ملا تو جنوبی کوریا نے اپنے سائنس دانوں اور پروفیسروں کا ایک وفد بھجوا دیا، یہ وفد ڈاکٹر صاحب سے صرف اتنا معلوم کرنا چاہتا تھا، ''ہم نوبل انعام کیسے حاصل کر سکتے ہیں'' جب کہ ہمارا نوبل انعام یافتہ سائنس دان اپنے ملک میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ قائداعظم یونیورسٹی نے 1979ء میں انہیں اعزازی ڈگری سے نوازا، اب المیہ دیکھئے، صدر جنرل ضیاء الحق نے ڈاکٹر صاحب کو یہ ڈگری یونیورسٹی ہال کی بجائے نیشنل اسمبلی ہال میں دی، کیوں؟ کیونکہ طالب علموں کی ایک جماعت نے حکومت کو دھمکی دے دی تھی ''یہ مرتد یونیورسٹی آیا تو یہ زندہ واپس نہیں جا سکے گا'' ڈاکٹر عبدالسلام کو 23 ممالک کی 32 یونیورسٹیوں نے ڈاکٹر آف سائنس کی اعزازی ڈگریاں دی تھیں، دنیا کے 22 ممالک نے انہیں اعلیٰ ترین اعزازات سے نوازا اور یہ 23 ممالک کی اعلیٰ ترین سائنس اکیڈمیوں کے فیلو اور رکن رہے اور انہیں یہ تمام اعزازات یونیورسٹیوں کے ہالوں میں ہزاروں طالب علموں کی گونجتی تالیوں میں دیئے گئے تھے لیکن اپنے ملک میں انہیں یہ اعزاز نیشنل اسمبلی ہال میں ''عوام'' سے بچا کر دیا گیا اور اخبارات نے عوامی خوف کی وجہ سے ان کی تصویر تک شائع نہیں کی، ڈاکٹر عبدالسلام پوری زندگی پاکستان کو ترستے رہے، یہ 1996ء میں فوت ہوئے، ان کی نعش پاکستان آئی تو حکومت کو جنازے اور قبر کی حفاظت کے لئے خصوصی انتظامات کرنے پڑ گئے۔

***

دوستوں خوفناک حقائق آپ کی نظر کر رہا ہوں

مسلمانوں میں طلاق اور خلع کے کیسیز میں اضافہ...! آپ کراچی کی مثال لے لیں جہاں 2010 میں طلاق کے 40410 کیسسز رجسٹرڈ ہوئے۔ 2015 میں صرف خلع کے 13433 سے زیادہ کیسسز نمٹائے گئے۔ پنجاب میں 2012 میں 13299، 2013 میں 14243، 2014 میں 16942 جبکہ 2016 میں 18901 صرف خلع کے مقدمات کا فیصلہ دیا گیا۔ چیئرمین آربیٹریشن کونسل اسلام آباد کے مطابق صرف لاہور شہر میں 2017 میں خلع کے واقعات 18901 سے بڑھ کر 20000 تک پہنچ گئے۔

آپ کمال ملاحظہ کریں گجرانوالہ میں ماسٹرز کی طالبہ نے وین ڈرائیور کے ''چکر'' میں اپنے پڑھے لکھے، محبت کرنے والے شوہر سے طلاق لے لی۔ یہ میرے نہیں سیشن کورٹ گجرانوالہ کے الفاظ ہیں۔ آپ حیران ہونگے صرف گجرانوالہ شہر میں 2005 سے 2008 تک طلاق کے 75000 مقدمات درج ہوئے ہیں۔ ''دی نیوز'' کی رپورٹ کے مطابق محض 10 مہینوں میں 12913 خلع کے مقدمات تھے۔ صرف ستمبر کے مہینے میں گجرانوالہ شہر میں 2385 خلع کے مقدمات آئے۔ آپ ہماری جینے مرنے کی قسمیں کھانے والی نسل کی سچی محبت کا اندازہ اس بات سے کریں کہ 2017 میں 5000 خلع کے کیسسز آئے جن میں سے 3000 ''لو میرجز'' تھیں۔ پاکستان کے دوسرے بڑے اور پڑھے لکھے شہر میں روزانہ اوسط 150 طلاقیں رجسٹرڈ ہوتی ہیں۔ یہ تو دیگ کا صرف ایک دانہ ہے۔ عرب ممالک میں طلاق و خلع کا اوسط تو کئی یورپی ممالک سے بھی گیا گزرا ہے۔ اس سے انکار نہیں ہے کہ ان میں سے بہت سارے واقعات میں عام طور پر سسرال والوں کا لڑکی سے رویہ اور شوہر کا بیوی کو کوئی حیثیت نہ دینا بھی اصل وجوہات ہیں لیکن آپ کسی بھی دارالافتاء چلے جائیں ہفتے کی بنیاد پر سینکڑوں خطوط ہیں جو خواتین نہیں مرد حضرات لکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ہماری بیوی کو کسی اور کے ساتھ ''محبت'' ہو گئی ہے۔ وہ مجھ سے طلاق مانگ رہی ہے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے یا بچہ بھی ہے۔ بتائیں کیا کروں ایک دارالافتا میں ایک خط آیا جس میں شوہر نے لکھا تھا کہ ''رات آنکھ کھلی تو بیوی بستر پر نہیں تھی، بیڈ روم سے باہر آیا تو صوفے پر لیٹی موبائل میں مصروف تھی۔ اب وہ مجھ سے طلاق مانگ رہی ہے اور ہمارا ایک بچہ بھی ہے''۔ میں نے خود یہ واقعات سنے ہیں کہ شوہروں کے پیچھے عورتوں نے ان کی امانت میں خیانت کی ہے۔ نبی مہربان ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو جائز کاموں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے''۔

''یہ قوم اسلام پر مرنے کے لیئے تیار ہے لیکن اسلام پر جینے کے لئے تیار نہیں ہے''۔ آپ قرآن کا مطالعہ کریں سورۃ البقرہ سے لے کر والناس تک چلے جائیں۔ آپ کو نماز، روزہ، حج، زکوۃ میں سے کسی ایک فرض کی تفصیلات

نہیں ملیں گی۔آپ کو یہ تک نظر نہیں آئیگا کہ نماز کا طریقہ کیا ہے؟ آپ کو ان عبادات کی تسبیحات تک نہیں پتہ چل پائینگی۔لیکن نکاح،طلاق،خلع،شادی، ازدواجی معاملات،میاں بیوی کے تعلقات،گھریلو ناچاقی،کم یا زیادہ اختلاف کی صورت میں کرنے کے کام۔آپ کو سارا کچھ اللہ تعالیٰ کی اس مقدس ترین کتاب میں مل جائیگا جس کو ہم اور آپ ''چوم چوم'' کر رکھتے ہیں۔آپ مان لیں کہ ہمارے معاشرے میں طلاق اور خلع کی سب سے بڑی وجہ عدم برداشت ہے۔یاد رکھیں اچھا اور صحت مند گھرانہ کسی اچھے مرد سے نہیں بنتا بلکہ ایک اچھی عورت کی وجہ سے بنتا ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا ''جب دین گھر کے مرد میں آتا ہے تو گویا گھر کی دہلیز تک آتا ہے لیکن اگر گھر کی عورت میں دین آتا ہے تو اس کی سات نسلوں تک دین جاتا ہے''۔قربانی،ایثار، احسان،درگذر،معافی،محبت اور عزت یہ اسلام اور قرآن کی ڈکشنری میں آتے ہیں۔کمال تو یہ ہے کہ ان جوڑوں کی طلاق زیادہ جلدی ہوجاتی ہے جو ''جوائنٹ فیملی'' میں نہیں رہتے ہیں۔مصر میں عبدالفتاح سیسی جیسا حکمران تک طلاقوں سے پریشان ہے۔کیونکہ مصر میں 40 فیصد شادیاں اگلے پانچ سالوں میں طلاق کی نذر ہوجاتی ہیں۔جنرل اتھارٹی برائے شماریات کی 2016 کی رپورٹ کے مطابق سعودی عرب میں ہر ایک گھنٹے میں پانچ طلاقیں ہوتی ہیں۔جبکہ عرب نیوز کے مطابق 2016 میں 157000 شادیوں میں سے 46000 کا انجام طلاق کی صورت میں ہوا ہے۔

خواتین کی نہ ختم ہونے والی خواہشات نے بھی معاشرے کو جہنم میں تبدیل کیا ہے۔الیکٹرانک میڈیا نے گوٹھ گاؤں اور کچی بستیوں میں رہنے والی لڑکیوں تک کے دل میں ''شاہ رخ خان'' جیسا آئیڈیل پیدا کر دیا ہے۔محبت کی شادیاں عام طور پر چند ''ڈیٹس''، کچھ فلموں اور تھوڑے بہت تحفے تحائف کا نتیجہ ہوتی ہیں۔لڑکیاں اور لڑکے سمجھتے ہیں کہ ہماری باقی زندگی بھی ویسے ہی گذرے گی جیسا فلموں میں دکھاتے ہیں،لیکن فلموں میں کبھی شادی کے بعد کی کہانی دکھائی ہی نہیں جاتی ہے۔اس سے فلم فلاپ ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔گھریلو زندگی کی تباہی میں سب سے بڑا عنصر ناشکری بھی ہے۔کم ہو یا زیادہ، ملے یا نہ ملے یا کبھی کم ملے پھر بھی ہر حال میں اپنے شوہر کی شکر گزار رہیں۔سب سے بڑی تباہی اس واٹس ایپ اور فیس بک سوشل میڈیا نے مچائی ہے۔پہلے لڑکیاں غصے میں ہوتی تھیں یا ناراض ہوتی تھیں تو ان کے پاس اماں ابا اور دیگر لوگوں تک رسائی کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تھا۔شوہر شام میں گھر آتا، بیوی کا ہاتھ تھام کر محبت کے چار جملے بولتا،کبھی آئسکریم کھلانے لے جاتا اور کبھی ٹہلنے کے بہانے کچھ دیر کا ساتھ مل جاتا اور اس طرح دن بھر کا غصہ اور شکایات رفع ہوجایا کرتی تھیں۔لیکن ابھی ادھر غصہ آیا نہیں اور ادھر واٹس ایپ پر سارے گھر والوں تک پہنچا نہیں۔یہاں میڈم صاحبہ کا ''موڈ آف'' ہوا اور ادھر فیس بک پر اسٹیٹس اپ لوڈ ہوگیا۔اور اس کے بعد یہ سوشل میڈیا کا جادو وہ وہ گل کھلاتا ہے کہ پورے کا پورا خاندان تباہ و برباد ہوجاتا ہے یا نتیجہ خودکشیوں کی صورت میں نکلتا ہے۔مائیں لڑکیوں کو سمجھائیں کہ خدارا! اپنے شوہر کا مقابلہ اپنے باپوں سے نہ کریں۔ہوسکتا ہے آپکا شوہر آپ کو وہ سب نہ دے سکے جو آپ کو باپ کے گھر میں میسر تھا۔لیکن یاد رکھیں آپ کے والد کی زندگی کے پچاس،ساٹھ سال اس دشت کی سیاحی میں گذر چکے ہیں اور آپ کے شوہر نے ابھی اس دشت میں قدم رکھا ہے۔آپ کو سب ملے گا اور انشاءاللہ اپنی ماں سے زیادہ بہتر ملے گا اگر نہ بھی ملے تو بھی شکر گذاری کی عادت ڈالیں سکون اور اطمینان ضرور ملے گا۔بیویاں شوہروں کی اور شوہر بیویوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تعریف کرنا اور درگذر کرنا سیکھیں۔

زندگی میں معافی کو عادت بنالیں۔خدا کے لئے باہر والوں سے زیادہ اپنے شوہر کے لئے تیار ہونے اور رہنے کی عادت ڈالیں۔ساری دنیا کو دکھانے کے لیئے تو خوب ''میک اپ'' لیکن شوہر کے لئے ''سر جھاڑ منہ پھاڑ'' ایسا نہ کریں۔خدا کو بھی محبت کے اظہار کے لیئے پانچ دفعہ آپ کی توجہ درکار ہے۔ہم تو پھر انسان ہیں جتنی دفعہ ممکن ہو محبت کا اظہار کریں کبھی تحفے تحائف دے کر بھی کیا کریں۔قیامت کے دن میزان میں پہلی چیز جو تولی جائیگی وہ شوہر سے بیوی کا اور بیوی سے شوہر کا سلوک ہوگا۔یاد رکھیں مرد کی گھر میں وہی حیثیت ہے جو سربراہ حکومت کی ریاست میں ہوتی ہے۔اگر آپ ریاست کی بہتری کی بجائے ہر وقت سربراہ سے بغاوت پر آمادہ رہینگے تو ریاست کا قائم رہنا مشکل ہوجائیگا۔جس کو اللہ نے جو عزت اور مقام دیا ہے اس کو وہی عزت اور مقام دینا سیکھیں چاہے آپ مرد ہیں یا عورت۔ایک مثالی گھر ایک مثالی خاندان تشکیل دیتا ہے اور ایک مثالی خاندان سے ایک صحتمند معاشرہ وجود میں آتا ہے اور یہی اسلام کی منشاء ہے۔کوشش کریں کہ آپ اپنی ذات میں مثالی بن جائیں گھر خود بخود مثالی بن جائیگا۔

***

Concept 2Print

DIGITAL LITHO

A Complete Design & Print Service

CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH

- Business Cards
- Folders
- Booklets
- Books
- Pull up Banners
- Greeting Cards
- Letterheads
- NCR Pads
- Calendars
- Flyers
- Wedding Cards
- Invitation Cards
- Compliment Slips
- Brochures
- Posters

t:0203 603 7582
e:info@concept2print.co.uk

Concept2Print Ltd.
106 High Street • Colliers Wood • London • SW19 2BT
www.concept2print.co.uk

SKY TRAVEL WORLD

Munir Ahmad
www.skytravelworld.co.uk
munir@skytravelworld.co.uk
specialists for worldwide Destinations
Tel: 0207 112 8090
Fax: 08458389985
33 London Rd Tooting SW17 9jr
skytravelworld@gmail.com
Special offers Available

We offer specialised advice assistance in the following areas:
Immigration Nationality and Asylum, including
* Human rights applications
* Domestic worker applications
* Spouse / Marriage visa applications
* European Union applications including family member applications
* Long Residence applications
* Applications for dependents, parents and relatives of settled persons
* Dependents of the Points Based System
*Business immigration including Tier-1,Tier-2,Tier-4 and Tier-5 categories
* Judicial Review claims
Family law matters including divorce, child arrangement orders, financial settlements and adoption.
Residential and commercial conveyancing including lease extensions.
Employment law matters.
Civil litigation.
Corporate litigation and Partnership disputes.
Debt and consumer disputes.
Landlord and Tenant matters.
Probate, Wills Trust including Islamic Wills.
Appeals against PCO decisions

Lumine Solicitors

Lumine Solicitors and Lumine Law are the trading names of Lumine Law Limited, a company registered in England Wales(company registration no: 10996865 (Registered office: G14,1Burwood Place, London, W2 2UT. This firm is authorised and regulated by the Solicitors Regulation Authority (SRA No. 6452650)

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS
WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

PASS PLUS REGISTERED INSTRUCTOR

LATIF
Driving Center

Driving Standards Agency Approved Driving Instructor

WANT TO PASS FIRST TIME
LET US ASSIST YOU

AUTOMATIC & MANUAL

WE TEACH ACCORDING TO THE NEW RULES

FEMALE INSTRUCTORS

INTENSIVE COURSE

SPECIAL OFFER 10 Hours £250

FREE
TEST BOOKING

Bashir Tahir - 079 0380 2266
b.tahir@hotmail.co.uk

property renting
made
EASY & SIMPLE

N2 LETTINGS ESTATE AGENTS

020 34170607 www.n2lettings.com

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
☎ +44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
☎ +92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

Earlsfield Properties

Letting & Estate Agents,
Surveyors, Valuers
(Group of Companies)

We will manage your
property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3&5 years.

Free Management Service
Guaranteed Vacant Possession.

Member National Landlord Association
Member Deposit Protection Schemes

Please contact: Naveed Sarwar (MA European Real Estate)

175 Merton Road, London SW18 5EF Tel: 02082656000 02088770762 Fax: 02088749754
Email: earlsfieldproperties1@hotmail.com Web: www.earlsfieldproperties.com